عقائد و فرائض



تالیف: آیۃ اللہ ابراہیم امینی

ترجمہ: مولانا اخلاق حسین پکھناروی

تنظیم المکاتب

عقائد و فرائض

تالیف

آیۃ اللہ ابراہیم امینی

ترجمہ

مولانا اخلاق حسین پکھناروی

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج، لکھنؤ-۱۸ (ہندوستان)

نام کتاب : عقائد و فرائض (ترجمہ: آشنائی با مسائل کلی اسلام)

تالیف : آیۃ اللہ ابراہیم امینی

ترجمہ : مولانا اخلاق حسین پکھناروی

نظر ثانی : مجلس ادارت

کمپوزنگ : آئیڈیل کمپیوٹرس پوائنٹ، چوک لکھنؤ۔۳

مطبوعہ : اے. بی. سی. آفسیٹ پریس، دہلی

پہلا ایڈیشن : دسمبر ۲۰۰۶ء

دوسرا ایڈیشن : دسمبر ۲۰۱۷ء

تعداد : ایک ہزار

ناشر : تنظیم المکاتب، لکھنؤ (ہندوستان)

قیمت : Rs. 40/-

فہرست

عرض تنظیم

تحریک دینداری کے پہلے مرحلہ میں بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ نے اگرچہ اپنی توجہ ''قیام مکاتب'' پر مرکوز رکھی تھی مگر آپ کا نصب العین اس قوم کی ہر فرد کو دیندار بنانا تھا۔ دینی معلومات کے بغیر دینداری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مکتب، مدرسہ، اسکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ معلومات میں اضافہ کا بہترین ذریعہ مطالعہ ہے۔ کتابوں کے معیار اور مطالعہ کے رجحان سے قوموں کی حیثیت متعین ہوتی ہے۔ اسی لیے بانی تنظیمؒ نے روز اول نہ صرف یہ کہ مکاتب کے ساتھ شعبۂ نشر و اشاعت کو تنظیم المکاتب کے بنیادی اہداف میں شامل فرمایا بلکہ قیام تنظیم المکاتب سے کافی عرصہ پہلے تنویر بکڈپو کے نام سے انھوں نے ایک نشریاتی ادارہ قائم کیا تھا۔ جس سے متعدد کتب بھی شائع ہوئیں اور قیام تنظیم المکاتب کے بعد بانی تنظیمؒ نے اس کو تنظیم المکاتب میں ضم کر دیا۔

خطیب اعظمؒ کی زندگی میں شعبۂ نشر و اشاعت سے درسی کتب کے علاوہ حسب ضرورت و امکان متعدد علمی کتب شائع ہوئیں۔ پھر اس ذمہ داری کو علامہ جوادیؒ نے سنبھال لیا اور ان کے رشحات قلم سے قوم فیضیاب ہوتی رہی۔ علامہؒ مسلسل لکھتے رہتے تھے اور اپنی تصانیف کو ادارہ کے حوالہ کر دیتے تھے۔

علامہ جوادیؒ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ کچھ متاثر ہوا، مگر اللہ کے کرم سے دوبارہ اس خدمت کی رفتار میں اضافہ ہو گیا ہے اور افاضل قم کے تعاون سے متعدد کتب کے ترجمے

منظر عام پر آچکے ہیں۔

انتخاب واشاعت کتب میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ایک مومن کے لئے لازمی عقائد واحکام، تفسیر وعلوم قرآن، حدیث وکلام، تاریخ وسیرت، اخلاق وتربیت جیسے تمام دینی موضوعات پر ہر سطح فکر کے لئے مواد فراہم ہوجائے۔

زیرنظر کتاب ''عقائد وفرائض'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔امید ہے کہ اہل فکر ونظر اس ذخیرہ سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

اس کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہم ان کے شکرگذار ہیں۔مترجم کتاب جناب مولانا اخلاق حسین پکھناروی صاحب ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوشوں سے زیرنظر کتاب کی اشاعت کا شرف ہمیں حاصل ہورہا ہے۔

والسلام

سید صفی حیدر

سکریٹری

۲۵؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

سبق ۱

اصول دین اور عقائد

اسلام کے موضوعات اور مسائل کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اصول دین اور فروع دین۔ اصول دین کو عقائد اور فروع دین کو وظائف بھی کہا جاتا ہے۔ فروع دین ذمہ داریاں اور اوامر ونواہی جو خدا کی طرف سے انسان کے ذمہ عائد کی گئی ہیں ان کی بھی تین قسمیں ہیں: اخلاق، عبادات اور غیر عبادی احکام وقوانین۔ تیسری قسم کو معاملات بھی کہتے ہیں۔ فروع دین کے مسائل بعد میں بیان کیئے جائیں گے۔

اصول دین

اصول دین اسلام کی بنیاد ہیں۔ اسلام کے ثابت ہونے کے لئے ان پر ایمان ضروری ہے، جیسے خدا کے وجود، قیامت اور مرنے کے بعد کی زندگی، حضرت محمدؐ کی نبوت اور رسالت پر ایمان دونوں فرقوں کے درمیان متفقہ طور پر اصول دین میں شمار ہوتا ہے اور عقائد کا جز ہے۔

لیکن شیعہ اثنا عشری مذکورہ امور کے علاوہ امامت کو بھی عقائد کا جز جانتے ہیں۔ اور اصطلاح میں اصول مذہب میں شمار ہوتا ہے۔ اصول عقائد اسلام کی بنیاد ہیں نیز اسے جہاں بینی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی فکر اور بصیرت ہے کہ انسان

خداوند عالم کے مقابل ذمہ داری کا احساس کرتا ہے۔

اور جو الٰہی وظائف اور پروگرام اس کے جسم وروح اور دینی اور دنیاوی سعادت کو پورا کرنے کے لئے پیمبروں کے ذریعہ بھیجے گئے ہیں، وہ قبول کرتا ہے، اس لحاظ سے تکالیف اصول دین کی بنیادوں پر استوار ہوئی ہیں اور اس طرح کی فکر سے پیدا ہوئی ہیں احکام وتکالیف کو آئین بھی کہتے ہیں۔

اعتقادی مسائل دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں: اصول عقائد اور فروع عقائد۔

اصول عقائد ایسے امور کو کہا جاتا ہے جس پر یقین اسلام اور ایمان کے ثبوت کے لئے ضروری ہے جیسے: خدا کا وجود، اس کی توحید، معاد اور مرنے کے بعد کی زندگی، پیغمبرؐ اسلام کی نبوت اور رسالت۔

لیکن فروع دین اصول عقائد ہی سے نکلتے ہیں۔ جیسے خداوند عالم کے اسماء اور صفات ثبوتیہ وسلبیہ سے متعلق مسائل مرنے کے بعد کی زندگی جیسے عالم برزخ کے زمرہ میں، قبر میں سوال وجواب، مردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت، نامۂ اعمال میزان اعمال اور حساب وکتاب کی کیفیت، صراط، بہشتی نعمتوں اور اُخروی عذاب کی کیفیت اس کے علاوہ: پیغمبروں کے صفات اور خصوصیات جیسے علم، عصمت، اعجاز اور جبر واختیار، قضاوقدر، بداء وشفاعت اور اس طرح کے دیگر مسائل۔

انسانی سعادت میں عقاید کا کردار

اصول دین چند لحاظ سے انسانی سعادت میں اثر انداز ہوتے ہیں:

اوّل: وظائف، تکالیف اوامر ونواہی یعنی واجب وحرام جو انسان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں جس کا سرچشمہ جہان بینی ہے۔

دوم: معرفت کا حاصل کرنا اور حقائق کی شناخت بالخصوص خالق جہان کی معرفت، اسلام کی نظر میں ایک نفسانی اہمیت بلکہ بہترین عبادت اور نفس کے کمال اور خدا کے تقرب کا ذریعہ جانا گیا ہے، علوم ومعارف نفس انسانی میں بلاواسطہ اثر انداز ہوتے اور اسے منزل کمال تک پہنچاتے ہیں۔ اسی لئے، علم ومعرفت کا حصول، قرآن واحادیث میں ایک بڑی اہمیت کا حامل اور عظیم عبادت کے عنوان سے متعارف ہے۔ مثال کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: خدا نے سات آسمان اور سات زمینوں کو خلق کیا۔ اس کا حکم آسمان اور زمین کے درمیان نازل ہوا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کا علم ساری چیزوں پر محیط ہے۔[۱]

نیز فرماتا ہے ”خدا تم میں اہل ایمان، اور جنہیں علم عطا کیا گیا ہے ان کے درجوں کو بلند کرتا ہے اور خدا تمہارے افعال سے آگاہ ہے۔“[۲]

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: اے مومن! یہ علم وادب تمہارے نفس کی قیمت ہیں لہٰذا تحصیل علم کی کوشش کرو، جتنا تمہارا علم وادب زیادہ ہوگا تمہاری قیمت میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس لئے کہ علم کے ذریعہ خدا تک رسائی ہوتی ہے اور

---

[۱] سورۂ طلاق، آیت:۱۲ [۲] سورۂ مجادلہ، آیت:۱۱

ادب کے ذریعہ بہتر سے بہتر خدا کی خدمت کر سکتے ہو اور بندہ ادب ہی کے ذریعہ خدا کی ولایت اور تقرب کا سزاوار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نصیحت قبول کرو تا کہ عذاب خدا سے نجات پاؤ۔[۱]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: سب سے اچھی عبادت خدا کا علم اور اس کے سامنے سر نیاز خم کرنا ہے۔[۲]

ہشام بن حکم نے حضرت امام موسی بن جعفرؑ سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا: اے ہشام! خدا نے پیغمبروں کو معرفت خدا کے لئے بھیجا ہے، لہٰذا جو جتنا عارف باللہ ہوگا اتنا ہی دعوت الٰہی کو قبول کرے گا۔ لوگوں میں امر خداوندی کے جاننے والے وہ لوگ ہیں جن کے خیالات بہتر ہیں، اور جن کی عقل کامل ہے وہ دنیا و آخرت میں بلند درجات کے مالک ہیں۔[۳]

سوم: خدا پر ایمان قصد قربت اور اخلاص (جو عبادت کی شرط اور تقرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے) کے محقق ہونے میں تاثیر رکھتا ہے۔ اگر خدا پر ایمان نہ ہو اور اس کے لئے عمل انجام نہ پائے تو اخروی ثواب و جزا کی قیمت اور استحقاق ختم ہو جائے گا۔

حصول معرفت کے طریقے

اسلام معرفت و یقین اور حقیقی علم کا حاصل کرنا انسان کے لئے ممکن تصور

---

[۱] بحار، ج۱ ص۱۸۰ [۲] تحف العقول، ص۳۸۳ [۳] کافی، ج۱ ص۱۶

کرتا ہے۔ اسی لئے بہت ساری آیات میں انسان کو زمین و آسمان، دریا و پہاڑ، درختوں، پودوں، حیوانوں، آفتاب اور ستاروں، روز و شب کی خلقت، بارش اور بادل اور اس کے علاوہ دیگر امور کی حیرت انگیزیوں کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اگر حصول معرفت غیر ممکن ہوتا تو پھر غور وفکر نیز مطالعہ کی دعوت بیکار ہو جاتی۔

اب ضروری ہے کہ اسباب شناخت کو بیان کیا جائے۔ حصول علم اور تحصیل یقین کے چند طریقے ہیں:

اوّل: حواس

یعنی دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور لمس کرنے کے اسباب انسان مذکورہ حواس کے ذریعہ عالم خارجی سے رابطہ برقرار کرتا اور اشیاء کو درک کرتا ہے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ انسان کے حواس خمسہ صرف اور صرف مادی چیزوں کو درک کرتے ہیں اور مادہ سے خالی امور کو درک کرنے سے عاجز اور ناتواں ہیں۔ لہٰذا حواس خمسہ سے امید نہیں لگانی چاہئے، کہ بلا واسطہ فرشتوں اور خداوند عالم کو درک کرلیں گے۔ البتہ عالم کی حیرت انگیز چیزیں خالق عالم کی معرفت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

دوم: قلب اور عقل

حقائق کے درک کرنے اور یقین حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ عقل کا استعمال اور دلیل و برہان سے مدد لینا ہے۔ قرآن انسان کو عقل کے استعمال اور دنیا کی حیرت انگیز چیزوں کی خلقت کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے تا کہ اس

طریقہ سے خالق عالم اور اس کے علم وقدرت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ان سے کہو: زمین وآسمان کے درمیان غوروخوض کریں، لیکن بے ایمان افراد کے لئے نشانیاں اور ڈراوے بے سود ہیں۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ ان کے پاس ایسے دل ہوتے جو سمجھ سکتے اور ایسے کان ہوتے جو سن سکتے اس لئے کہ درحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر پائے جاتے ہیں۔[۲]

قرآن نہ یہ کہ صرف انسان کو غوروفکر کی دعوت دیتا ہے بلکہ خود بھی استدلال اور دلیل قائم کرتا ہے مثال کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اگر زمین وآسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو زمین وآسمان دونوں برباد ہوجاتے۔عرش کا مالک پروردگار ان کے بیانات سے بالکل پاک ومنزہ ہے۔[۳]

نیز ارشاد ہوتا ہے: خدا کے کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ہمراہ کوئی دوسرا خدا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوقات کو لے کر الگ ہوجاتا اور ہر ایک

---

[۱] سورۂ یونس، آیت:۱۰۱ [۲] سورۂ حج، آیت:۴۶ [۳] سورۂ انبیاء، آیت:۲۲

دوسرے پر برتری جتاتا، اللہ ان تمام باتوں سے پاک و پاکیزہ ہے۔[۱]

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں قرآن کریم نے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی اور بعض موقعوں پر دلیل بھی پیش کی ہے۔

رسول خداؐ اور ائمہ معصومینؑ بھی استدلال قائم کرتے تھے کبھی کبھی اصول دین کے اثبات کے لئے لوگوں کی خاطر دلیل بھی پیش کرتے تھے۔ مخالفین کو خاموش رہنے کا حکم نہیں دیتے تھے بلکہ احتجاج اور استدلال کے ساتھ ان پر حق ثابت کر کے مطمئن بھی کر دیتے تھے۔ پیغمبر اور ائمہ اطہار علیہم السلام کا احتجاج کتابوں میں درج ہے۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلام دین منطق اور استدلال ہے اور عقل کو ایک معتبر علمی آلہ کے عنوان سے قبول کیا اور اپنے ماننے والوں کو اس کی دعوت دی ہے البتہ عقل اور عقلی مدرکات سے صحیح استفادہ کے شرائط ہیں جو کتابوں میں درج ہیں اور ان کا استعمال مخصوص اور محدود موقعوں پر ہوتا ہے۔

سوم: تزکیۂ نفس

حقائق کے درک کرنے اور واقعات کے کشف کرنے کی ایک راہ تزکیۂ نفس ہے۔ کہا ہے کہ: انسانی نفس ایک ایسا ملکوتی اور مادہ سے خالی جوہر ہے جو راہ تعقل و استدلال کو طے کئے بغیر بعض حقائق عالم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن جو چیز انھیں درک

---

[۱] سورۂ مومنون، آیت: ۹۱

کرنے میں مانع ہے وہ گناہوں سے آلودگی اور مادیت سے لگاؤ ہے۔لہٰذا اگر انسان تقویٰ اختیار کرے اور اپنے نفس کو گناہ کے انجام دینے سے باز رکھے، اور مادی تعلق کو کم کرے اور عبادت وذکر خدا اور اس کی جانب توجہ سے اپنے نفس کو پاک اور نورانی کرے، ایسی صورت میں ممکن ہے کہ کرم خداوندی کا مرکز بنے اور خدا اس کے لئے حقیقتوں کو روشن کردے۔ایسی راہ کے اثبات کے لئے آیات واحادیث کا سہارا لیا گیا ہے مثال کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا ہے پھر بدی اور تقویٰ کی ہدایت دی ہے۔ بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کا پاکیزہ کیا اور وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے آلودہ کردیا۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: اے صاحبان ایمان تقویٰ اختیار کرو خدا تمہیں بصیرت عطا کرے گا تاکہ حق پہچانو اور تمہاری ہر برائی پوشیدہ کرتا ہے اور گناہوں کو بخشتا ہے خدا عظیم فضل کا مالک ہے۔[۲]

مذکورہ بالا آیات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ تزکیۂ باطن، تہذیب نفس وہ پسندیدہ امر ہے جو کمال نفس اور سعادت کا باعث ہے اگر انسان تقویٰ کی رعایت کرے اور اپنے نفس کو گناہ سے آلودہ نہ کرے تو ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ حقیقتوں کو پہچاننے لگتا ہے۔

---

[۱] سورۂ شمس، آیت: ۷-۱۰ [۲] سورۂ انفال، آیت: ۲۹

احادیث میں بھی اس موضوع کی طرف اشارہ ہوا ہے مثال کے طور پر:

رسول خداؐ نے فرمایا: جو کوئی چالیس شب و روز اپنے کو صرف خدا کے لئے وقف کر دے تو اس کے قلب سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر زبان سے جاری ہوتے ہیں۔[۱]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: بندوں کے صاف وشفاف دل نظر خداوند کا مقام ہیں، لہٰذا جو بھی اپنے دل کو گناہ سے پاک و صاف رکھے خداوند عالم کی نظر عنایت کا مرکز بنے گا۔[۲]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اس شخص کو مبارک ہو جس نے اپنی دعا اور عبادت صرف خدا کے لئے انجام دی ہے اور اپنے دل کو دلکش مناظر میں مصروف نہیں کرتا، اور غلط آوازوں کے سننے سے ذکر الٰہی کو فراموش نہیں کرتا اور دوسروں کو دی جانے والی چیزوں سے محزون نہیں ہوتا۔[۳]

حضرت فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: جو بھی اپنی خالص عبادتوں کو خدا کی جانب بھیجے گا تو خدا بھی اپنی بہترین مصلحتوں کو اس کی طرف بھیجے گا۔[۴]

آیات و احادیث سے استفادہ ہوتا ہے حصول علم کا طریقہ صرف استدلال نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی طریقے ہیں، اور وہ تزکیۂ نفس، گناہوں اور پست اخلاق سے دوری، عبادت میں لگن اور صرف خدا کے لئے اعمال انجام دینا ہے اس

---

[۱] بحار، ج ۷ ص ۲۴۲ [۲] غرر الحکم، ص ۵۳۸ [۳] بحار، ج ۷۰ ص ۲۲۹ [۴] بحار، ج ۷۰ ص ۲۴۹

راہ سے بھی حقائق عالم تک رسائی ہو سکتی ہے۔

کچھ اللہ کے اولیاء اور خاص بندے تھے جنہوں نے علم، یقین اور حقائق کے مشاہدہ کے لئے ان راستوں کو طے کیا ہے اور اپنے مقصد تک پہنچے ہیں یہ نہایت دشوار راہ ہے اور سب کے بس کی بھی نہیں ہے اس کے لئے نفس سے جہاد اور محنت ضروری ہے، بہتر ہے کہ اس کو اس کے اہل کے لئے چھوڑ دیں۔

چہارم: پیغمبروں اور ائمہ معصومینؑ کی خبریں

اگر چہ اسلام لوگوں کو غور و فکر نیز استدلال کے استعمال کی دعوت دیتا ہے اور اسے ایک ذاتی خوبی سمجھتا ہے، لیکن انبیاء کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ ہر جگہ استدلال کی دعوت دیں بلکہ اکثر اپنی سچائی اور درستگیٔ اعمال سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کے لئے قابل اعتماد بنے اور اس طرح سے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ پیغمبر اسلامؐ چونکہ صداقت، امانتداری، نیک اعمال سے مشہور تھے اور کبھی آپ سے جھوٹ اور کوئی خیانت نہیں دیکھی گئی، لہٰذا جب بھی لوگوں سے کہتے تھے: تمہیں خدا اور اس کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، تم لوگ مرنے سے فنا نہیں ہو جاؤ گے بلکہ دنیائے آخرت کی طرف جاؤ گے تا کہ نیک کاموں کی جزا اور برے اعمال کی سزا پاؤ تو اکثر لوگوں نے آپ کے قول پر اعتماد کیا اور آپ کی باتوں کو قبول کیا، اگر چہ اکثر انبیاء کی دعوت استدلال کے ذریعہ نہیں رہی ہے بلکہ واقع کی خبر کے عنوان سے انجام پاتی تھی لیکن یہی خبریں ایمان اور یقین کا سبب بنیں۔ ایسے لوگوں کا ایمان بے بنیاد نہیں تھا بلکہ

بسا اوقات ایسے افراد کے ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط تھا جو استدلال سے ایمان لائے تھے۔

یہ لوگ پیغمبر پر اعتماد کے زیر اثر آپ کی واقعی خبروں کو مانتے تھے، اور اس راہ سے ان پر اعتماد حاصل کرتے تھے اور ایمان لے آتے تھے۔ سب سے پہلے آنحضرتؐ کی پیغمبری کو قبول کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ کی سچی گفتار پر یقین کرتے تھے۔ البتہ اگر کسی فرد یا افراد نے دلیل کا مطالبہ کیا تو دلیلیں بھی پیش کیں اور اس راہ سے انہیں مطمئن کر دیا بلکہ اس کام کی رغبت بھی دلائی لیکن عام طور پر حضرت کی روش یہ نہیں تھی۔ لہٰذا مذکورہ طریقہ کو علم و یقین اور ایمان کے حصول کا ذریعہ تصور کیا جا سکتا ہے جو انبیاء استعمال کرتے تھے اور تابعین بھی اسی طریقہ سے ایمان لاتے تھے۔

پنجم: ماں باپ اور معلم کی ھدایت

بہت سارے لوگوں کا ایمان ماں، باپ اور معلم کی ھدایت سے ہے۔ بچوں کے سرپرست بچوں کو پہلے لفظ خدا سے آشنا کراتے ہیں، اس کے بعد نہایت ہی آسان انداز میں اصول دین یاد کراتے ہیں۔ اور اس سے کہتے ہیں کہ ازبر یاد کرلو، اور دوسروں کو سناؤ اس سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔ پھر حمد اور سورہ پڑھنا سکھاتے ہیں، اس کے بعد وضو کرنے، نماز پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ بچہ اس طرح سے آہستہ آہستہ خدا کے وجود، پیغمبرؐ اور قیامت سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور انھیں قبول کرتا ہے، اور اسی یقین کے ساتھ بڑا ہو جاتا ہے۔ دینی کتابوں کی تعلیمات

سے بھی ایمان میں تقویت ہوتی ہے اگر چہ بعض لوگ بڑے ہونے کے بعد تحقیق اور تلاش کرتے ہیں اور دلیل سے اپنے بچے کے ایمان کو قوی اور مضبوط بناتے ہیں لیکن اکثر لوگ اسی بچپنے کے ایمان پر اکتفا کرتے ہیں اور غور وخوض کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اکثر لوگوں کا ایمان ایسا ہی ہے، اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایمان کے ثبوت میں یقین شرط ہے جو ان میں پایا جاتا ہے۔

البتہ جو ایمان فکر و استدلال پر استوار ہے وہ بتائے ہوئے ایمان پر فضیلت رکھتا ہے، اور اسلام بھی اس کی تاکید کرتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اگر بغیر دلیل ہو تو اصل ایمان میں خلل واقع ہو جائے۔

لیکن اگر کسی کو اصل ایمان میں شک وشبہ ہو تو عقل کہتی ہے کہ جستجو کرے اور اپنے ایمان کو دلیل سے مضبوط کرے، اور اس سلسلہ میں عدم توجہی اور کوتاہی صحیح نہیں ہے۔

جو کچھ کہا گیا وہ اصول عقائد میں غور وفکر کے سلسلہ میں تھا تاکہ یقین وایمان حاصل ہو جائے لیکن فروعی عقائد و مسائل میں ظنی دلیلوں جیسے خبر واحد وغیرہ پر اکتفا کی جاسکتی ہے، یہ بات پوشیدہ نہ رہ جائے کہ عقائد فرعیہ میں یقین کا حصول اور اس کے لئے چھان بین کرنا ظنی دلیلوں پر ترجیح رکھتا ہے۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ عقائد کے اصول اور فروع کو بیان کیجئے؟

۲۔ جہان بینی (شناخت ہستی) کسے کہتے ہیں؟

۳۔ انسانی سعادت کی تکمیل میں اصول دین کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

۴۔ حصول معرفت کے طریقوں کو بیان کیجئے؟

۵۔ قرآن کا شناخت عقلی سے متعلق کیا عقیدہ ہے؟

۶۔ قرآن میں کس جگہ عقلی استدلال سے استفادہ کیا گیا ہے؟

۷۔ ایسا ایمان جس کا تکیہ پیغمبرؐ کی حدیث پر ہو کس صورت میں کافی ہے؟

۸۔ اگر انسان اصول عقائد میں شک کرے تو اس کا وظیفہ کیا ہے؟

۹۔ ماں باپ کی ھدایت ایمان میں کیا اثر رکھتی ہے؟

۱۰۔ کن موارد میں ظنی دلیلوں پر اکتفا کی جا سکتی ہے؟

سبق ۲

اخلاق اور اسلام

اخلاق: خلق کی جمع ہے۔ خلق، عادت اور نفسانی صفت کا نام ہے۔ مرحوم فیض کاشانیؒ اخلاق کی تعریف میں فرماتے ہیں: خلق ایسی حالت کو کہتے ہیں جو نفس انسانی میں رسوخ کرگئی ہو، اس طرح کہ نہایت آسانی کے ساتھ بغیر غور وفکر کے افعال صادر ہوں۔ لہٰذا اگر اس شکل سے کوئی فعل صادر ہو جو عقلی اور شرعی دونوں اعتبار سے لائق مدح ہو تو اس ہیئت کو خوش اخلاقی کہتے ہیں اور اگر منشأ افعال برا ہو تو اس کو بداخلاقی کہتے ہیں۔[۱]

کبھی کبھی عادات وکردار کا اچھے کام پر اطلاق ہوتا ہے جیسے سچائی نیکی اور عطاو بخشش کو اچھے اخلاق اور جھوٹ، خیانت اور کنجوسی کو برے اخلاق میں شمار کرتے ہیں۔ دانشوروں نے اخلاقی افعال کے بارے میں کہا ہے: وہ قابل اہمیت فعل یا صفت کہ عقل سلیم جس کی اچھائی اور برائی کو درک کرے اور ہر زمانے کے لوگ اس کی اچھائی اور برائی پر اتفاق رکھتے ہوں۔ اخلاقی فعل ایک ایسا کام ہے کہ ہر عاقل انسان اس کے حسن کو درک کرتا ہے اور اس کی انجام دہی اپنا انسانی وظیفہ سمجھتا ہے اور اپنے اندر بھی یہی فیصلہ کرتا ہے کہ اسے انجام دے، یا اس کی برائیوں کو درک کرے کہ اس کا انجام دینا اس کی انسانیت کے خلاف اور غیر مناسب امر ہے

---

[۱] حقائق، ص ۵۴

اور اسے ترک کرنا چاہئے۔

اسلام میں اخلاق کی بہت فضیلت اور اہمیت ہے اس درجہ کہ نیک اخلاق کا مالک ہونا بری عادت سے اجتناب کمال ایمان کی نشانی تصور کیا گیا ہے حسن خلق کو میزان اعمال میں تولے جانے والے سب سے وزنی عمل کے عنوان سے پہچانا گیا ہے۔ اخلاق کی تربیت اس درجہ اہم تھی کہ پیغمبرؐ کی بعثت کا مقصد جانا گیا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: مومنین پر خدا کا احسان ہے کہ اس نے انھیں میں سے ایک کو بعنوان رسول بھیجا تاکہ آیات الٰہی کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کا تزکیہ کرے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اگرچہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔[۱]

رسول خداؐ نے فرمایا: میں تمہیں نیک اخلاق کی تلقین کرتا ہوں، اس لئے کہ خداوند عالم نے مجھے اس مقصد کے لئے مبعوث کیا ہے۔[۲]

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: میں تمہیں نیک اخلاق کو کمال عطا کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔[۳]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: لوگوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے زیادہ کامل وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔[۴]

---

[۱] سورۂ آل عمران، آیت: ۱۶۴ [۲] بحار، ج ۶۹ ص ۳۷۵

[۳] مستدرک اصولہا، ج ۲ ص ۲۸۲ [۴] کافی، ج ۲ ص ۹۹

رسول خداؐ نے فرمایا: روز قیامت میزان اعمال میں رکھی جانے والی چیزوں میں سب سے قیمتی شئ حسن خلق ہوگا۔[۱]

امام صادقؑ نے فرمایا: خداوند عالم اپنے بندوں کو نیک اخلاق کی وجہ سے اس طرح اجر اور ثواب دیتا ہے جس طرح راہ خدا کے مجاہد کو صبح و شام اجر دیتا ہے۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: اچھا خلق آدھا ایمان ہے۔[۲]

اسلام نے تزکیۂ نفس، تطہیر باطن اور نیک اخلاق سے آراستگی سے متعلق بہت تاکید کی ہے۔ آیات قرآنی کا بڑا حصہ اخلاقیات پر مشتمل ہے، یہاں تک کہ قرآنی داستان اخلاقی مقصد کو بیان کرتی ہیں، پیغمبرؐ اکرم اور ائمہ معصومینؑ سے ہزاروں حدیث حسن خلق اور بداخلاقی سے متعلق نقل ہوئی ہیں اور حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں یقیناً قرآن میں اچھے اخلاق کو اپنانے کی خوشخبری اور برے اخلاق میں ملوث ہونے کی سزا، محرمات و واجبات کی اہمیت سے کم بیان نہیں ہوئی ہے۔ اگر نیک اخلاق کا حکم دیا گیا ہے تو صرف اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز قرب الٰہی اور کمال نفس کا سبب ہے۔ اور اگر برے اخلاق کے ارتکاب سے روکا گیا ہے تو صرف اسی لئے کہ خدا سے دوری اور نفس کی پستی کا باعث ہے۔

لہٰذا اخلاقیات کو یا احکام کے برابر شمار کیا جائے یا ان پر ترجیح دی جائے اور اخلاقی قوانین کا بہانہ بنا کر اس میں کوتاہی یا لاپرواہی نہیں برتنا چاہئے۔ تمام انبیاء

---

[۱] کافی، ج۲ص۹۹ [۲] مشکاۃ الانوار، ص۲۲۳

اور آسمانی ادیان نے نیک اخلاق کی تاکید کی ہے۔ بلکہ ہر قوم وملت ایک خاص اخلاق کی پابند تھی اور ہے۔ اصولی طور پر انسان کی زندگی بغیر اخلاق کے ممکن نہیں ہے۔ اخلاق دو لحاظ سے انسان کی سعادت وخوشبختی یا ناراضگی و بدبختی میں مؤثر ہے:

اوّل: دنیوی اور سماجی زندگی: اگر ایک سماج کے لوگ وظیفہ شناس ہوں، ایک دوسرے کے حق کی رعایت کریں، مہربان ہوں، نیک امور میں تعاون کریں، ایک دوسرے کی مشکل کے حل کے لئے جلدی کریں، قلبی لگاؤ اور حسن سلوک سے پیش آئیں، ایک دوسرے کے لئے باعث زحمت نہ ہوں خلاصہ یہ کہ سماج کی خوشبختی وسعادت میں اپنی سعادت سمجھتے ہوں تو ایسے لوگ خوش حال زندگی کے مالک ہوتے ہیں اور اُنس ومحبت کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر اخلاقی اصول وضوابط کے پابند نہ ہوں تو کبھی آرام وسکون نہیں دے سکتے وہ بھی اس درجہ کہ ایک سماج کی ترقی اور سعادت یا بدبختی کا اندازہ اس سماج کے افراد سے ہوتا ہے کہ وہ لوگ کیسے ہیں ان کے عادات واطوار کیا ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اسلام نے اجتماعی اخلاق کی رعایت سے متعلق کافی تاکید کی ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا: انسان کی سعادت نیک اخلاق اور بدبختی برے اخلاق میں ہے۔[۱]

امام صادقؑ نے فرمایا: کوئی زندگی نیک اخلاق سے بہتر اور خوش گوار

---

[۱] مستدرک، ج ۲ ص ۸۳

نہیں ہے۔[۱]

حضرت صادقؑ نے فرمایا: نیک اخلاق رزق میں اضافہ کرتا ہے۔[۲]

امام صادقؑ نے فرمایا: اخلاق حسنہ اور نیکی شہروں کو آباد اور عمر میں اضافہ کرتے ہیں۔[۳]

حضرت صادقؑ نے فرمایا: جو بد اخلاقی کرتا ہے وہ اپنے آپ کو عذاب اور سختی میں مبتلا کرتا ہے۔[۴]

آداب معاشرت اور سماجی اخلاق کے سلسلے میں کثرت سے احادیث پائی جاتی ہیں جو حدیث کی کتابوں جیسے: بحار الانوار، ج ۷۴۔۷۵ اور کافی، ج ۲، جامع احادیث الشیعہ اور وسائل الشیعہ اور دیگر کتابوں میں درج ہیں انھیں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

دوم: نفسانی کمال یا پستی:۔ انسان کی اخروی اور باطنی زندگی میں سعادت یا شقاوت اور نیک اخلاق نفس کو کمال اور بلندی عطا کرتے ہیں۔ خدا سے تقرب کا باعث ہیں۔ اس کے برعکس برا اخلاق نفس انسانی کو پستی کی جانب مائل کرتا اور خدا سے دور کرتا ہے جس کا نتیجہ عالم آخرت میں روشن ہوگا۔

امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا: خداوند عالم نے نیک اخلاق کو

---

[۱] بحار، ج ۷۱ص ۳۸۹ [۲] بحار، ج ۷۱ص ۳۹۶

[۳] کافی، ج ۲ص ۱۰۰ [۴] کافی، ج ۲ص ۳۲۱

اپنے بندوں کے لئے قرب کا ذریعہ قرار دیا ہے، کیا تم نہیں چاہتے کہ ایسے خلق کو جو خدا سے رابطہ کا ذریعہ ہے حفاظت کرو (اپناؤ)۔[۱]

امام صادقؑ نے فرمایا: نیک اخلاق دنیامین زینت اور آخرت میں تفریح کا سامان ہے اس کے ذریعہ دین کامل اور اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔[۲]

رسول خداؐ نے فرمایا: سب سے زیادہ جو چیز میری امت کو جنت میں لے جائے گی تقوائے الٰہی اور نیک اخلاق ہے۔[۳]

امام صادقؑ نے فرمایا: نیک اخلاق گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے، جس طرح آفتاب برف کو پگھلا کر پانی کر دیتا ہے۔[۴]

انسانی نفس ایک عظیم معنوی، نورانی، ملکوتی اور مادہ ومادیات سے بالاتر گوہر ہے اس کا تمام حیوانات سے امتیاز بھی اسی معنوی روح کی بنیاد پر ہے۔ انسان کی روح چونکہ مادہ سے بالاتر عالم علم ونور، کرامت اور شرافت، فیض اور رحمت، خیر وبرکت، عدل واحسان بلکہ مختصر الفاظ میں عالم کمال و جمال سے مناسب رکھتا ہے یہاں سے اخلاقی عظمتوں کی منزل معلوم ہو جاتی ہے۔ مکارم اخلاق انسلن کی انسانیت اور اس کی معنوی روح سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اگر مکارم اخلاق اور فضائل وکمالات کو انسان سے سلب کر لیا جائے تو پھر انسان اور حیوان کے درمیان

---

[۱] مستدرک، ج ۲ ص ۲۸۳ [۲] مستدرک، ج ۲ ص ۸۳

[۳] کافی، ج ۲ ص ۱۰۰ [۴] کافی، ج ۲ ص ۱۰۰

کوئی فرق نہیں رہ جائے گا؟

یہی وہ جگہ ہے کہ اسلام تاکید کرتا ہے کہ انسان اپنی معنوی روح اور ذاتی شرافت و بزرگی کا تحفظ کرے اور ہمیشہ یہ یاد رکھے کہ انسان ہے نہ کہ حیوان۔ اس لئے کہ انسان کا اس کی جانب متوجہ رہنا انسان کو کمال کی طرف لے جاتا ہے اور برائیون سے روکتا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: جو کوئی اپنے نفس کو عظیم اور اہم سمجھے گا اس کے یوانی خواہشات کا ترک کرنا آسان ہو جائے گا۔[۱]

علیؑ نے فرمایا: جو کوئی اپنے نفس کو عظیم سمجھتا ہے وہ اس کو گناہوں سے آلودہ نہیں کرتا۔[۲]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: جو شخص اپنے نفس کی عظمت اور شرافت کی جانب متوجہ ہوتا ہے وہ اسے ذلت آمیز خواہشوں سے دور رکھتا ہے۔[۳]

علیؑ نے فرمایا: نفس ایک قیمتی گوہر ہے جس نے اس کی حفاظت کی گویا اس کو بلند مقام تک پہنچا دیا، اور جو اسے رسوا کرے گا اس نے نفس کو پست کر دیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: جس کا نفس عظیم اور بزرگ ہوگا اس کی شفقتوں میں اضافہ ہوگا۔[۴]

---

[۱] نہج البلاغہ، کلمہ ۴۴۹ [۲] غرر الحکم، ص ۶۶۹ [۳] غرر الحکم، ص ۶۷۷ [۴] غرر الحکم، ص ۶۳۸

مکارم اخلاق انسان کا وہ قیمتی گوہر ہے جو اس کی معنوی روح کی پرورش کرتا اور کمال تک پہنچاتا اور اس کی انسانیت کو قوت بخشتا ہے، یہی وجہ ہے کہ باطن میں ان خوبیوں کو درک کرتا ہے اور ان کا طالب ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں مکارم اخلاق سے متعلق کہا گیا ہے: سارے انسان ہر زمانہ میں ہر جگہ اس کی خوبی اور اہمیت کے قائل ہیں۔ ہاں انسان کی پاک و منزہ فطرت میں اور (جو انسان کو پہچنواتی اور اس کی انسانیت کو اہمیت دیتی ہے) اس کے درک کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور اخلاقی اوامر و نواہی بھی اور ذمہ داری کا احساس اسی فطرت سے ہوتا ہے۔ یہی ذاتی معلومات، اپنی معرفت انسانیت کی جانب توجہ، اقدار کا تحفظ ہی ہے جو انسان کی معنوی روح کو دنیاوی جسم کا حاکم بناتی ہے تاکہ اپنی حیوانی خواہشوں کو قبضہ میں رکھ سکے اور انسانی عظمتوں کا تحفظ کر سکے۔

انبیاء آئے تاکہ انسان کی اس پاکیزہ جہاد میں مدد کریں اور تہذیب نفس اور تزکیہ باطن اور نفس کی پرورش کر کے انسانی اقدار کو قوت عنایت کریں۔ انبیاء نے انسانوں سے کہا: تم لوگ انسان ہو نہ کہ حیوان اپنی انسانیت کو فراموش نہ کرو اور حیوانی خواہشات کی طرف جھک نہ جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ انسان کا سب سے بڑا اور عظیم نقصان یہ ہے کہ حیوانی خواہشات کے ہولناک گرداب میں غرق ہو جائے اور اپنی انسانیت کو گنوا دے اور ایک درندہ کی شکل میں عالم آخرت میں حاضر ہو۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: کہو! خسارہ اُٹھانے والے وہی ہیں جنھوں

نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا، جان لو یہ واضح نقصان اور خسارہ ہے۔[۱]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا میں اپنی کھوئی ہوئی چیز کے چکر میں تو ہے لیکن اپنے نفس کو کھوئے ہوا ہے اور اس کی تلاش میں نہیں ہے۔[۲]

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ خُلق کے کیا معنی ہیں؟

۲۔ پیغمبر اکرمؐ نے اخلاق کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

۳۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟

۴۔ اسلام میں اخلاقیات کی کیا اہمیت ہے؟

۵۔ کیا اخلاقی دستورات سے بے توجہی کی جا سکتی ہے؟

۶۔ انسان کی دنیاوی زندگی میں اخلاقیات کی کیا تاثیر ہے؟

۷۔ اخلاقیات انسان کی ذاتی زندگی میں کیا اثر رکھتے ہیں؟

---

[۱] سورۂ زمر، آیت: ۱۵ [۲] غرر الحکم، ص ۴۶۵

۸۔ کیوں نیک اخلاق معنوی روح سے مناسبت رکھتا ہے؟

۹۔ کیوں سارے انسان اخلاقی اہمیت کے قائل ہیں؟

۱۰۔ اخلاقی اوامر ونواہی کا سرچشمہ کیا ہے؟

۱۱۔ کون سی چیز حیوانی خواہشات پر قابو پانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے؟

۱۲۔ پیغمبروں نے انسانوں سے کیا کہا؟

سبق ۴

اخلاقی طریقے

درس اخلاق میں انسان کے اچھے برے طور طریقے، پسندیدہ اور ناپسندیدہ صفات، اچھے برے اعمال، ذمہ داریاں، اوامر و نواہی، سعادت مند زندگی گزارنے کا طریقہ اور اس سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں بحث کی جاتی ہے۔ جن لوگوں نے بھی اخلاق سے متعلق بحث کی ہے انھوں نے تین طریقوں کو اپنایا ہے:

اوّل: پیغمبروں کا طریقہ:

پیغمبرؐ اسلام اور دیگر انبیاء الٰہی نے لوگوں کو اخلاق کی طرف دعوت دیتے وقت موعظہ اور جذبات کی تحریک سے استفادہ کیا نہ کہ علمی روش سے۔ اس لئے کہ اُن کا مقصد دلوں میں جگہ بنانا اور عمل کی طرف ابھارنا تھا۔ لہٰذا موعظہ کے راستہ کو سب سے زیادہ موثر سمجھا۔ اخلاقی مسائل اور موضوعات کا تذکرہ قرآن مجید اور حدیث پیغمبرؐ میں جا بجا مختلف مناسبتوں سے آیا ہے۔

رسول خداؐ ہر وقت یا کسی خاص موقع پر اخلاق کے ایک یا چند نمونوں کو ذکر کرتے، ان کی تعریف کرتے، اور سامعین کی اس کی پابندی کے لئے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ یا بد اخلاقی کے نمونہ بیان کرتے اور اس کے برے نتائج کی طرف اشارہ کر کے مذمت کرتے اور لوگوں کو اس کے ارتکاب سے روکتے تھے اور

ان کو تزکیہ نفس کا حکم دیتے تھے۔ حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ نے اخلاق کے مختلف موضوعات اور مسائل کو وسیع پیمانہ پر بارہا پیش کیا ہے لیکن اکٹھا نہیں بلکہ پند و نصیحت اور وعدہ وعید کی صورت میں مختلف وقت میں بیان کیا ہے۔

دوم: علمی طریقہ:-

کچھ دانشوروں نے اخلاق کے مختلف مسائل اور موضوعات، نیز انسانی اہمیت اور عدم اہمیت کو ایک علم کی صورت میں تحقیق کیا ہے۔ علم اخلاق میں بحث کا موضوع انسان کی نیک و بد رفتار ہے جو انسان کی سعادت و شقاوت اس کی دینی اور دنیاوی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ علم اخلاق میں انسان کو سعادت مند زندگی گذارنے کی راہ بتائی جاتی ہے۔ بدبختی اور بے اہمیتی کے اسباب علم اخلاق کا خاص موضوع ہے جس کے فروعات اور متعدد مسائل منظم طور پر مختلف ابواب میں بیان کئے جائیں گے۔ تمام مکارم اخلاق کا تجزیہ اور اس کے اچھے آثار کی جانب اشارہ کیا جائے گا، اور اس کے عمل کے طریقے شائقین کو بتائے جائیں گے۔

برے اخلاق کے نمونے اور اس کے غلط نتیجوں کی جانب اشارہ کیا جائے گا، برے اخلاق سے اجتناب اور پاکیزگی نفس کے طریقے قارئین اور سامعین کے حوالے کئے جائیں گے۔ اور مسائل کے اثبات کے لئے عقلی و نقلی دلیل، عرفانی اور ذوقی شواہد سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

پرانے زمانے ہی سے علم اخلاق علماء اور حکماء کی عنایت کا مرکز رہا ہے۔

سقراط اور افلاطون عیسوی سنہ سے ۴۲۷ سال پہلے اور ارسطو عیسوی سنہ سے ۳۸۴ سال پہلے یونان کے سب سے پہلے حکماء ہیں۔ جنھوں نے علم اخلاق کی ایک علم و حکمت (حکمت عملی) کے عنوان سے بنیاد ڈالی ہے اور دیگر یونانی فلاسفہ کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے، مغربی دانشوروں اور فلاسفہ نے بھی فلسفہ یونان سے اقتباس کر کے علم اخلاق کے موضوع پر تحقیق جاری رکھی ہے۔ کتابیں تالیف ہوئیں مکاتب فکر وجود میں آئے۔ گذشتہ صدیوں میں یہ کام کافی تیزی سے جاری رہا ہے۔

چونکہ اخلاق حضرت عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کے آئین کا جز تھا تو یہودی اور عیسائی دانشوروں نے بھی اخلاقیات کی جانب کافی توجہ دی۔ یونانی فلسفہ اور اپنی دینی کتابوں سے استفادہ کر کے اخلاق کے موضوع پر تحقیق کی اور کتابیں تالیف کر دیں۔

اسلام میں بھی حضرت رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد آپ کے مشن کی بقاء کے عنوان سے اخلاق کے موضوع پر دو اہم کام انجام پائے: ایک اخلاق کے موضوع سے آیات اور احادیث کا ذخیرہ اور مختلف ابواب متعدد کتابوں میں تنظیم وترتیب نیز اس کی شرح اور تفسیر۔ دوسرے ایک علم کی صورت میں اخلاقی مباحث کی تحقیق و بررسی۔

پہلا کام: ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں اصحاب کے ذریعہ شروع ہو گیا۔ جیسے حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کے ایک صحابی محمد بن حسن (ولادت ۲۵۸ھ) کے حالات

میں ملتا ہے کہ آپ نے ''اَلسّنن والآداب ومکارم اخلاق'' نام کی ایک کتاب تالیف فرمائی۔[۱]

نیز سلیمان بن حسن (۲۲۷-۳۰۱ھ) کے حالات میں ملتا ہے کہ ان کی ایک کتاب ''الآداب والمواعظ'' کے نام سے تھی۔[۲]

اس طرح کی کتابوں کے اسماء بعض راویان حدیث کی تالیفات کی فہرست میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ ساری کتابیں نابود ہو چکی ہیں نہیں معلوم کہ یہ کس طرح تالیف ہوئی تھیں لیکن اخلاقی احادیث کی تدوین وترتیب کی طرح تھیں۔

سب سے پہلی اور جامع ترین کتاب جو احادیث کے عنوان سے مرتب کی گئی اور باقی ہے وہ ''کتاب کافی'' ہے۔

مذکورہ کتاب محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۸ھ) کے ذریعہ ۲۰ ر سال کی مدت میں تالیف ہوئی۔ کلینیؒ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں زندگی گزار رہے تھے اور امام زمانہؑ کے نواب اربعہ کے زمانے کو درک کیا ہے علوم اسلامی کا معتبر اور بے نیاز سرچشمہ کتاب کافی ہے جس میں نہایت خوبصورت اور انوکھے انداز میں شیعوں کی مختلف احادیث کو جمع کیا گیا ہے جس کا ایک اہم حصہ اخلاقی احادیث پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد اسی طرز پر اخلاق کے موضوع سے متعلق دوسری کتابیں لکھی

---

[۱] مجمع الرجال، ج ۵ ص ۱۸۷ [۲] مجمع الرجال، ج ۵ ص ۲۱۹

گئیں۔ جن میں سے شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ھ) کی ایک کتاب "ثواب الاعمال" بھی ہے۔

آخری دور میں اس سلسلے میں مفصل اور جامع ترین کتابیں تالیف ہوئیں، جیسے علامہ مجلسیؒ (متوفی ۱۱۱۱ھ) کی کتاب بحارالانوار اور کافی کی شرح میں مرأۃ العقول اور شیخ حر عاملیؒ (متوفی ۱۱۰۴ھ) کی کتاب وسائل الشیعہ ، حاجی نوری کی مستدرک الوسائل، فیض کاشانی کی وافی، آیۃ اللہ عظمی سید محمد حسین طباطبائی بروجردی کی جامع احادیث شیعہ تحریر ہوئیں۔

مذکورہ کتابوں میں تمام احادیث، بالخصوص اخلاقی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ دوسری کتابیں بھی تالیف ہوئی ہیں جن میں اخلاق کے موضوع سے متعلق آیات اور احادیث جمع کی گئی ہیں اور بعض موقعوں پر ان کی تفسیر اور شرح بھی بیان ہوئی ہے۔ علماء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کاوشوں سے پیغمبرؐ اسلام اور ائمہ معصومینؑ کی بے نیاز علمی میراث باقی ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔

دوسرا کام: دوسرے حصے (اخلاق کی ایک علم کی صورت میں تدوین) میں بھی بہت سے کام ہوئے ہیں، شاید اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب تہذیب الاخلاق اور تطہیر الاعراق ہے جو احمد بن محمد بن یعقوب مسکویہ (متوفی ۴۲۱ھ) کے ذریعہ تالیف ہوئی ہے۔ انھوں نے آیات قرآن و احادیث ائمہ معصومینؑ اور اخلاق میں ارسطو و افلاطون اور دوسرے یونانی حکماء کے عقائد سے استفادہ کر کے اسلامی

اخلاق کی ایک علم کی صورت میں بنیاد ڈالی ہے اس کے بعد خواجہ نصیر الدین طوسی (۵۹۷-۶۷۲ ہجری) نے مذکورہ سرچشمہ سے استفادہ کر کے اخلاق ناصری اور اخلاق محتشمی تالیف کی ہے۔

محمد غزالی (۴۵۰-۵۰۵ ہجری) بھی علم اخلاق کے مؤلف ہیں انھوں نے بھی آیات قرآنی اور پیغمبرؐ کی احادیث اور حکماء، عرفاء اور اہل ذوق کے کلمات سے استفادہ کر کے، ''احیاء العلوم'' نامی کتاب کو عربی زبان میں اور کیمیائی سعادت نامی کتاب کو فارسی زبان میں تالیف کی۔ احیاء العلوم علم اخلاق کے موضوع پر ایک اچھی کتاب ہے لیکن افسوس کہ اس میں ضعیف نکتے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ملاّ محسن فیض کاشانی (۱۰۰۷-۱۰۹۱) نے اس کی اصلاح اور تکمیل کی، اس طرح سے ''مھجة البیضاء فی احیاء الاحیاء'' جیسی قیمتی اور نایاب کتاب تالیف کی۔

محمد مہدی نراقی (متوفی ۱۲۰۹ھ) نے بھی ایک قیمتی کتاب ''جامع السعادات'' تالیف کی۔

علم اخلاق کے موضوع پر دوسری کتابیں بھی لکھی گئی ہیں لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ بقدر ضرورت اس سلسلے میں کام نہیں ہوا ہے، اسلام ان تمام نظر عنایات جو اخلاق کی بہ نسبت رکھتا ہے علماء دین سے توقع رکھتا ہے کہ علم وصنعت کی ترقی اور انسان کی اجتماعی وفردی زندگی میں تغیرات اور مختلف مکاتب اخلاق کے وجود میں آنے سے علم اخلاق کی تکمیل اور وسعت کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔

سوم: فلسفۂ اخلاق: فلسفۂ اخلاق تقریباً نیا علم ہے۔ فلسفۂ اخلاق میں نیک و بد اخلاق اور انسان کی اخلاقی رفتار اور زندگی گذارنے کی کیفیت سے بحث نہیں ہوتی بلکہ اخلاقی قضیوں کی کیفیت، خیر و شر، خوبصورتی اور بدصورتی اور حُسن و قُبح سے متعلق بحث ہوتی ہے اور اس جہت سے بحث ہوتی ہے کہ کیا خوبی ایک واقعی صفت ہے جو مصداق خارجی رکھتا ہے یا اعتباری امر ہے؟ کیا اخلاقی قضایا خبری ہیں یا انشائی؟

اخلاقی اوامر و نواھی کس طرح اور کہاں سے حاصل کیۓ جاتے ہیں؟ ایک اخباری قضیہ سے کس طرح انشائی نتیجہ نکلتا ہے؟ خوشبختی اور بدبختی کے کیا معنی ہیں؟ کیا ان کا وجود حقیقی ہے یا اعتباری؟ فلسفۂ اخلاق میں اس طرح کے مسائل سے بحث ہوتی ہے۔

دنیا کے علمی ذخیرے اور مغربی مما لک میں اخلاق کا فلسفہ ایک رائج اور زندہ علم ہے۔ اس علم میں دانشور حضرات مہارت رکھتے ہیں اور سینکڑوں کتابیں اس سلسلے میں لکھی ہیں اور مکتب فکر وجود میں آۓ ہیں۔

لیکن افسوس کہ اسلامی دانشوروں کو اس بحث میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ نہ اس فن کے ماہر فن ہیں اور نہ ہی اس موضوع سے متعلق اتنی کتابیں تالیف ہوئی ہیں دور حاضر میں چند محدود افراد کو اس کی فکر لاحق ہوئی اور مختصر کتابیں بھی لکھی گئیں جو کافی نہیں ہیں۔

ہم ان مختصر اوراق میں علم وفلسفۂ اخلاق کی تمام بحثیں، مختلف اخلاقی مکاتب فکر کی تحقیق وتنقید، اخلاق اسلامی کے اصول وبنیاد کی تشریح اور اس اہم موضوع کے سلسلے میں اسلام کے نظریات کو نہیں بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن قارئین کی جانکاری کے لئے کچھ چیزیں بیان کر دینا مناسب ہے۔

اخلاق اسلام کی نظر میں

اخلاق کے موضوع میں جو مختلف مکاتب فکر وجود میں آئے ہیں ان کا سرچشمہ انسان شناسی اور جہان بینی ہے، اسلام کے اخلاقی مکتب کا بھی سرچشمہ جہان بینی خاص ہے، اسی لئے اس کی طرف توجہ ضروری ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس دنیا کا ایک خدا ہے جو اس کا خالق ومدبر ہے۔ انسان ایک زندہ جاوید ہے جو مرنے سے فنا نہیں ہوتا بلکہ اس جہان سے جہان آخرت کی جانب کوچ کرتا ہے تاکہ اپنے نیک اعمال کی جزا یا برے اعمال کی سزا پائے۔

اسلام کی نظر میں انسان ایک صاحب اختیار، مکلف اور کسی راستے کے انتخاب کرنے میں آزاد ہے۔ انسان بغیر مقصد کے پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ ذاتی کمال کے حصول، اللہ کی جانب پلٹنے اور جہان آخرت کی اچھی ونورانی زندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان ایسی مخلوق ہے جس کے دو رُخ پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف سے حیوان ہونے کے لحاظ سے حیوانی خواہشات ہیں اور حیوانی زندگی اور جسم سے مربوط ضروریات، خواہشات اور حاجات ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔

دوسری طرف سے معنوی روح کا بھی حامل ہے اسی لئے تمام حیوانات پر برتری اور فضیلت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے خلیفۂ الٰہی ہوا اور فرشتوں پر فوقیت حاصل کی۔ انسان کی ذاتی اور باطنی زندگی بھی سعادت و کمال یا شقاوت و نقصان کی حامل ہے جب انسان کمال کی طرف بڑھتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی روحانیت کو قوت دے اور حیوانی خواہشات پر ایک حد تک قابو پائے یہاں سے اخلاقی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اخلاقی اہمیتیں ذاتی کمال کی بناء پر ہوتی ہیں جو معنوی روح کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔ نفس کو پاکیزگی، نورانیت اور فرحت، سکون و اطمینان بخشتی اور انسان کی انسانیت کو تقویت دیتی ہیں۔

اس کے برعکس بداخلاقی، بے اہمیتی، حیوانی خواہشات میں ڈوبے رہنا اور چوں چرا کے بغیر حیوانی خواہشوں پر لبیک کہہ دینا، انسانیت کے عظیم گوہر اور معنوی روح کے خلاف ہے جو حیوانی جذبہ کو تقویت دیتا اور انسانی پہلو کو ضعیف و ناتواں بناتا ہے۔

لیکن اسلام باجودیکہ اخلاقی اہمیت کو انسانی فطرت کے موافق تصور کرتا ہے لیکن اس کو نیک اخلاق کی دعوت اور بداخلاقی سے رکاوٹ کے لئے کافی نہیں سمجھتا اور طبیعی اور غیر دینی اخلاق کو قبول نہیں کرتا، اسی لئے خدا اور معاد پر ایمان، اخروی جزا کی خوشخبری اور جہنم کے عذاب سے خوف کے ذریعہ لوگوں کو نیک اخلاق اور خوش رفتاری کی دعوت دیتا ہے۔ اور گناہ و بداخلاقی سے منع کرتا ہے۔ اسلام میں اخلاق کی

بنیاد خدا اور معاد پر ایمان، اخروی جزا کی امید اور عذاب کے خوف پر قائم ہے اور یہ بہترین اجر کا ضامن ہے۔ خدا پر ایمان اور اس کی رضا و خوشنودی کی خواہش کے زیر اثر بہتر طریقہ سے خواہشات حیوانی اور اپنے ذاتی مفاد کی عادت پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور انسانی قیمتیں جیسے ایثار، فداکاری، مظلوم کا دفاع، ظلم کے خلاف جنگ، عدالت کی طلب، جہاد و شہادت، امانت داری اور خلق خدا پر احسان کو زندہ کیا جاسکتا ہے۔

اسلام اصولی طور پر ہر عمل کی قیمت کو خدا پر ایمان اور قصد قربت کے ہمراہ تصور کرتا ہے بلکہ اخلاقی قیمتیں بھی اس صورت میں کمال و سعادت کا باعث ہیں جب ایمان اور قصد قربت پایا جائے، اور اگر اس کے علاوہ ہو تو حقیقی اہمیت کے حامل نہیں ہیں اگر چہ عمومی طور پر بااہمیت شمار ہوتی ہوں۔

اخلاقی مسائل کے اقسام

اخلاقی مسائل اور موضوعات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا حصّہ: انفرادی اخلاق جیسے خدا اور ذکر خدا کی طرف توجہ، محبت خدا، خدا پر بھروسہ، خدا کی مرضی پر راضی رہنا، اخلاص، امیدواری، صبر، بے نیازی، شجاعت، پائداری، اطمینان نفس، عمل میں یقین کہ یہ سارے نیک صفات میں شمار ہوتے ہیں۔

اور جیسے: ریا، خود پسندی، حسد، غضب، اضطراب، ناامیدی، نالہ وفریاد،

دنیا، جاہ و منصب اور شہرت کی خواہش، خوف، لالچ، بے امنی کا احساس، بے اعتمادی، خدا کی مرضی پر راضی نہ ہونا، ارادہ میں سستی وغیرہ بداخلاقی میں شمار ہوتے ہیں۔

دوسرا حصّہ: اجتماعی اخلاق کا ہے، جیسے خوش اخلاقی، حسن سلوک، عاجزی، لوگوں کا احترام، عدالت کی طلب، ایثار، دفاع، خیر خواہی، لوگوں کے ساتھ احسان، امانت داری، وفاداری، سچائی، رازداری، نرم خوئی، عفو، دوسروں کے عیوب سے چشم پوشی، ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، اولاد کے ساتھ احسان کرنا، صلۂ رحم، ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت جیسے زن و شوہر کے حقوق، مومنین کی حاجت برآری کی کوشش کرنا، مسلمانوں کے امور کا بندوبست کرنا۔ لوگوں کو فائدہ پہنچانا، بخشش، دوسروں کے فرائض سمجھنا، ہمسایہ سے حسن سلوک جو سماجی زندگی کے نیک آداب میں شمار ہوتے ہیں۔ اور جیسے بداخلاقی، تندمزاجی، بدزبانی، بدسلوکی، تکبر، دوسروں کا احترام نہ کرنا، لوگوں کی توہین، ظلم کرنا، دوسروں کو اذیت پہنچانا، امانت میں خیانت، جھوٹ، وعدہ خلافی، دوسروں کے راز کو فاش کرنا، حسد کرنا، عیب جوئی، ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی، فرزند کے ساتھ غلط رویہ رکھنا، رشتہ داروں سے تعلق ختم کر دینا، پڑوسیوں کو اذیت دینا، میاں بیوی کا دوسروں کے حقوق کی رعایت نہ کرنا، امور مسلمین سے متعلق بے توجہی، بخل کرنا، ظالم کی حمایت کرنا، فتنہ پھیلانا، تہمت لگانا، غیبت کرنا، ظالم کی مدد کرنا، فضول خرچی کرنا، لوگوں کو دھوکہ دینا جو سماج کے برے اخلاق میں شامل ہے۔

مذکورہ عناوین اور اس کے علاوہ جو دسیوں عنوان قرآن اور احادیث میں آئے ہیں اخلاقی کتابوں میں ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ شائقین حضرات ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ اخلاق میں پیغمبرؐ کا طریقہ کیسا تھا؟

۲۔ اخلاق میں علمی طریقہ کیا ہے؟

۳۔ علماء اسلام نے اخلاق کے بارے میں کیا کارنامہ انجام دیا؟

۴۔ فلسفۂ اخلاق میں کن چیزوں سے بحث ہوتی ہے؟

۵۔ کون سی جہان بینی اخلاق اسلامی کا سرچشمہ ہے؟

۶۔ انسان اسلام کی نظر میں کیسا ہے؟

۷۔ کیوں اخلاق اسلامی کی بنیاد خدا و معاد پر ایمان پہ قائم ہے؟

۸۔ اخلاقی قدر و قیمت نفس میں کیا تاثیر رکھتی ہیں؟

سبق ۸

اسلام اور عبادات

عبادت لغت میں تسلیم واطاعت نیز حد درجہ ذلّت اور عاجزی کے اظہار کا نام ہے، راغب لکھتے ہیں: عبودیت ذلّت کے اظہار کے معنی میں ہے، لیکن عبادت اس سے بالاتر چیز ہے، اس لئے کہ انتہائی درجہ کی ذلّت کا اظہار ہے، یہی وجہ ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی لائق نہیں ہے۔[۱]

کلمہ، عبد بھی اسی مادہ سے لیا گیا ہے جو غلام کے معنی میں ہے غلام ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو اپنے مالک کے سامنے سر جھکاتے تھے اور یہ لوگ انھیں حق دیتے تھے کہ ان کے تمام امور میں دخیل ہوں۔ اسی مناسبت سے تمام انسان کو عبد اور بندہ کہا جاتا ہے، اس لئے کہ تمام انسان خدا کے غلام ہیں۔ لیکن بندوں پر خدا کی مالکیت اور غلاموں پر آقاؤں کی مالکیت کے درمیان بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کی مالکیت اعتباری ہے، لیکن خدا کی مالکیت ایک حقیقی امر ہے، تمام موجودات خالق عالم کا معلول ہیں، اپنے وجود اور وجود کی بقا اور تمام حالات میں خدا کے محتاج ہیں اور اس کے اختیار اور مالکیت میں ہیں، فقر واحتیاج، ان کے وجود کا ایک جز ہے۔

---

[۱] مفردات راغب، ص ۳۱۹

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اے لوگو! تم لوگ خدا کے محتاج ہو، اور وہ بے نیاز اور قابل حمد وثنا ہے۔[۱]

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اور تمام موجودات عالم، حتی کفار ومشرکین، خدا کے واقعی غلام اور بندے ہیں۔اس لئے حاکم عالم کے قوانین اور ارادۂ تکوینی خداوندی کے سامنے سراپا تسلیم ہیں اور وہ خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: زمین وآسمان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو خدا کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔[۲]

اب تک جو کچھ کہا گیا وہ عبادت تکوینی اور عبادت کے لغوی معنی کے بارے میں تھا۔

اصطلاح شرع میں عبادت فرمان الٰہی کے سامنے اظہار بندگی اور حد درجہ خضوع وخشوع اور تسلیم کا نام ہے۔اس دین کے پیروکار اظہار بندگی کے عنوان سے اس عمل کو انجام دیتے ہیں اور اپنے معبود سے تقرب حاصل کرتے ہیں۔

اسلام میں بھی ایسے عبادی آداب ورسوم ہیں جیسے: نماز، روزہ اور حج۔

انسان خدا کا مملوک اور واقعی بندہ ہے اس کے پاس جو کچھ ہے اس کے رحم وکرم سے ہے۔وہی دنیا کا خالق اور مدبر ہے۔دنیا کے نظام میں کسی دوسری مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہے دنیا کی ساری موجودات خدا کی محتاج ہیں اور خداوند بے نیاز کے

---

[۱] سورہ فاطر، آیت: ۱۵ [۲] مریم، آیت: ۹۳

علاوہ کوئی دوسرا ان ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا اس لحاظ سے خدا کے سوا کوئی معبود ہونے کی لیاقت اور صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ انسان کا وظیفہ خدا کی عبادت کرنا ہے، اور اسے حق نہیں ہے کہ کسی جہت سے بھی کسی دوسری مخلوق کی عبادت کرے۔

پیغمبروں نے لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت سے منع کیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے بھی لوگوں کو توحید اور نفی شرک کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا، اور یہ آنحضرتؐ کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

قرآن بھی ایک کتاب توحیدی ہے جس میں سینکڑوں آیتیں توحید کی تاکید کے لئے آئی ہیں نمونے کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: یہ ایک محکم کتاب ہے جس کی آیات تفصیل کے ساتھ خداوند عالم کی جانب سے نازل ہوئی ہیں کہ سوائے خدائے یکتا کے کسی اور کی عبادت نہ کرو میں ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں۔[۱]

لہٰذا کوئی کام بھی جو عبادت اور قربت و ثواب کی خاطر انجام پائے تو وہ صرف اور صرف خدا کے لئے ہو، اور اگر خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے انجام پائے تو وہ شرک شمار ہوگا۔

عبادت کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ خالص خدا کے لئے ہو، اور

---

[۱] سورۂ ھود، آیت:۱

قصد قربت کے ساتھ انجام دی جائے، اور انجام دینے والا کسی اور غرض کے لئے انجام نہ دے۔

لہٰذا اگر کوئی دکھانے اور ریاٗ کی غرض سے کوئی عبادت انجام دے تو باطل ہے اور نہ یہ کہ ثواب نہیں ملے گا بلکہ انسان کو پستی کی جانب لے جائے گا اور عذاب کا باعث ہوگا۔ اسی لئے بہت ساری احادیث میں ریا کاری کی مذمت ہوئی ہے اور شرک سمجھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ہر ریا شرک ہے، جو انسان لوگوں کے لئے کوئی کام انجام دے اسے انھیں سے ثواب بھی لینا چاہئے۔ اور جو کوئی صرف اور صرف خدا کے لئے کوئی کام کرے اس کا اجر اور ثواب بھی خدا دیتا ہے۔[۱]

علی بن سالم کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: خداوند عالم فرماتا ہے: میں بہترین شریک ہوں جو کوئی اپنے عمل میں میرے علاوہ کو شریک کرے گا تو میں اس کا عمل قبول نہیں کروں گا۔[۲]

لہٰذا انسان کو کوشش کرنا چاہئے کہ صرف اور صرف خدا کے لئے عبادت کرے اور قربت کی نیت سے کرے نیز خود پسندی، ریا کاری اور دنیوی اغراض سے دوری اختیار کرے جتنا عمل خالص ہوگا اس کی اہمیت اور ثواب میں اضافہ ہوگا۔

اس اہم نکتہ کی یاد دہانی ضروری ہے: کہ عبادی رسومات کے طریقے خدا،

---

[۱] کافی، ج ۲ ص ۲۹۳ [۲] کافی، ج ۲ ص ۲۹۵

پیغمبر اور ائمہؑ کی جانب سے معین ہونا چاہئے، نہ کہ کسی اور کی طرف سے۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ اپنی جانب سے اور بغیر کسی مستند اور معتبر شرعی دلیلوں کے کسی عبادت کی ایجاد کرے، اور ثواب و قرب الٰہی کی غرض سے انجام دے۔ خود ساختہ عبادت نہ یہ کہ ثواب نہیں رکھتی بلکہ گناہ اور بدعت شمار ہوتی ہے۔ عبادی رسومات کا اثبات خواہ واجب ہوں یا مستحب، کسی معتبر شرعی دلیل کی محتاج ہیں ہاں اس عمل کو بعنوان عبادت اور بقصد قربت انجام دیا جا سکتا ہے جس کے انجام دینے پر قرآن کریم اور صحیح اور معتبر احادیث میں اس کے بجالانے کا حکم ہوا ہو۔ کسی عمل کے عبادت ہونے کو اپنی مرضی اور احساسات کے مطابق ثابت نہیں کیا جا سکتا اور قربت کی نیت سے نہیں بجالایا جا سکتا۔ مسلمانوں کو شریعت کے احکام کا پابند ہونا چاہئے جس کے انجام دینے کا حکم دے اسے انجام دے اور جسے کہے ترک کرو ترک کردے دین میں بدعت گذاری حرام ہے اور علماء دین پر واجب ہے کہ اس سے اختلاف کریں۔

امام جعفر صادقؑ نے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں جانے کا باعث ہے۔[۱]

یونس بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں نے حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے عرض کیا: کس طرح ہم موحد ہوں؟ فرمایا: اے یونس! بدعت گذار نہ بنو۔ جو بھی اپنی رائے پر عمل کرے گا ہلاک ہو جائے گا اور جو اہل بیت پیغمبرؐ کو چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہو جائے گا اور جو کتاب خدا اور قول پیغمبرؐ کو ترک کر دے وہ کافر ہو جاتا ہے۔[۲]

---

[۱] کافی، ج ۱ ص ۵۷ [۲] کافی، ج ۱ ص ۵۶

زرارہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے حلال وحرام کے بارے میں سوال کیا، آپ نے کہا: حلال محمدی تا قیامت حلال اور حرام محمدی تا قیامت حرام ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے اور نہ ہی آئے گا۔ اور کہا: حضرت علیؑ نے فرمایا: کوئی دین میں بدعت ایجاد نہیں کرے گا مگر یہ کہ اس کے ذریعہ سنت کو چھوڑ دے۔[۱]

رسول خداؐ نے فرمایا: جب میری امت میں بدعت ظاہر ہونے لگے تو عالم پر واجب ہے کہ اپنے علم کا اظہار کرے اور اس بدعت کی مخالفت کرے۔ اور اگر ایسا نہ کرے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔[۲]

اسلام میں عبادت کی دو قسم ہے: واجب عبادتیں اور مستحب عبادتیں۔

واجب عبادتیں وہ ہیں جن کے بجالانے کا حکم شارع مقدس نے مکلّف انسان پر واجب کیا ہو کہ قربت کی نیت سے صحیح بجالاؤ، اور جان بوجھ کر چھوڑ دینے پر عذاب آخرت معین کیا ہو جیسے: واجب نمازیں، واجب روزہ اور واجب حج۔

مستحب عبادتیں وہ ہیں کہ مکلفین کو قربت کی نیت سے بجالانے کا حکم ہوا ہو۔ لیکن اگر انجام دیں تو ثواب اور اگر نہ دیں تو گناہ نہیں ہوتا اور سزا کا استحقاق نہیں پیدا ہوتا۔ جیسے: روزانہ کی مستحبی نمازیں اور اس کے علاوہ دوسری بہت سی مستحبی نمازیں، مستحب عمرہ یا حج، قرأت قرآن، دعا، منقول ذکر کا پڑھنا، مختلف دعائیں اور

---

[۱] کافی، ج ۱ ص ۵۸ [۲] کافی، ج ۱ ص ۵۴

توسل جو پیمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ سے مروی ہوں، مستحب روزے، مستحب اعمال کے صحیح اور باعث ثواب ہونے کے لئے بھی قصد قربت شرط ہے اور ریا سے عبادتیں باطل ہو جاتی ہیں۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ عبادت کے لغوی معنی کیا ہیں؟

۲۔ عبادت تکوینی کسے کہتے ہیں؟

۳۔ عبادت تشریعی کسے کہتے ہیں؟

۴۔ غیر خدا کی عبادت کیوں جائز نہیں ہے؟

۵۔ عبادت کے صحیح ہونے کی شرط کیا ہے؟

۶۔ کسی عمل کا عبادت ہونا کس طریقہ سے ثابت ہوتا ہے؟

۷۔ بدعت کیا ہے؟

۸۔ اگر بدعت پیدا ہو تو علماء کی کیا ذمہ داری ہے؟

۹۔ کسی عمل کا استحباب کس طرح ثابت ہوتا ہے؟

۱۰۔ مستحب عبادتوں کی صحت کی کیا شرط ہے؟

سبق ۵

نماز

نماز دین کا ستون اور بہترین عبادت ہے۔ مسلمان شب و روز میں چند بار دنیاوی کاموں کو چھوڑ کر رحیم و کریم خدا کی بارگاہ میں آتا ہے۔ وضو کرتا اور خداوند عالم کے سامنے خصوع و خشوع سے کھڑا ہوتا اور نماز میں مشغول ہوتا ہے۔ اپنے خدا سے راز و نیاز کرتا ہے۔ اپنے دل کو خدا کی جانب متوجہ کرتا اور اس کی یاد سے اپنے دل کو جلا بخشتا ہے۔

یہ عظیم عبادت خاص اہمیت کی حامل ہے۔ آیات و احادیث میں نماز قائم کرنے سے متعلق بے شمار تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔[۱] اور فرماتا ہے: اے ایمان والو! صبر اور نماز کو اپنا مددگار بناؤ اور خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[۲]

نیز ارشاد ہوتا ہے: میرے باایمان بندوں سے کہو: نماز برپا کریں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے پوشیدہ اور آشکار طور پر خرچ کریں، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خریداری ہو اور نہ ہی دوستی کارآمد ہو۔[۳]

---

[۱] سورۂ بقرہ، آیت: ۴۳ [۲] سورۂ بقرہ، آیت: ۱۵۳ [۳] سورۂ ابراہیم، آیت: ۳۱

نیز ارشاد ہوتا ہے: جو کچھ اس کتاب سے تم پر وحی ہوئی ہے تلاوت کرو، اور نماز قائم کرو اس لئے کہ نماز انسان کو برائی سے روکتی ہے، ذکر خدا عظیم ہے، اور خدا تمہارے کاموں سے آگاہ ہے۔[۱]

زید کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: خدا کے نزدیک بہترین عمل نماز ہے۔ نماز پیغمبروں کی آخری وصیت ہے۔ کتنا اچھا ہے کہ انسان غسل کرے یا وضو کرے یا اس کے بعد کسی خلوت کی جگہ میں جہاں کوئی اسے نہ دیکھتا ہو پھر وہاں رکوع اور سجود بجالاتا ہو جب بندہ سجدہ میں جاتا ہے اور اپنے سجدہ کو طول دیتا ہے تو شیطان فریاد کرتا ہے کہ اس نے تو خدا کی عبادت کی اور میں نے نافرمانی یہ سجدہ کرتا ہے اور میں منکر تھا۔[۲]

رسول خداؐ فرماتے ہیں: جب بندہ مومن نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو خدا اس کی طرف نظر کرتا ہے یا فرمایا خدا اس کی طرف عنایت کرتا ہے۔ جب تک کہ نماز سے فارغ نہیں ہو جاتا رحمت الٰہی اس کے سر پر آسمان تک سایہ فگن ہوتی ہے۔ فرشتے اس کے چاروں طرف سے آسمان تک احاطہ کئے ہوتے ہیں۔ خداوند عالم ایک فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس سے کہے: اے نماز گذار! اگر تم جانتے ہوتے کہ تم پر کس کی نظر ہے اور تم کس سے محو مناجات ہو تو کبھی نماز ترک نہیں کرتے اور اپنی جگہ سے ملتے نہیں۔[۳]

---

[۱] سورۂ عنکبوت، آیت: ۴۵ [۲] کافی، ج ۳ ص ۲۶۴ [۳] کافی، ج ۳ ص ۲۶۵

رسول خداؐ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک بندہ کو حساب کے لئے بلایا جائے گا اور سب سے پہلے جس کا سوال ہوگا وہ نماز ہے لہٰذا اگر نماز صحیح اور کامل انجام دی ہوگی تو نجات پائے گا ورنہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔[۱]

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جو نماز کو ہلکا شمار کرے وہ مجھ سے نہیں ہے، قسم خدا کی میرے پاس حوض کوثر پر نہیں آئیں گے۔ اور جو نشہ آور شراب پیئے تو وہ مجھ سے نہیں ہے، خدا کی قسم وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں آئیں۔[۲]

اسلام صرف نماز پڑھنے کی تاکید نہیں کرتا بلکہ نماز برپا کرنے کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ نماز کو اہم ذمہ داری جانیں اور اسے قائم کرنے کی کوشش کریں۔ نماز کی قرأت اچھی طرح یاد کریں اور پڑھیں نماز کے اوقات کی پابندی کریں اور اوّل وقت نماز میں سبقت کریں، مساجد میں حاضر ہوں، نماز جماعت سے پڑھیں، ہر جگہ اور ہر حال میں نماز کو دیگر تمام امور پر مقدم رکھیں، خواہ سفر ہو یا حضر عالم بیماری ہو یا صحت، کارخانہ میں ہوں یا آفس میں، یونیورسٹی میں ہوں یا مدرسے میں، بازار میں ہوں یا تجارت خانوں میں، کشتی پر ہوں یا جہاز پر، بس پر ہوں یا ٹرین پر حتی میدان جنگ میں کیوں نہ ہوں نماز اوّل وقت پڑھیں۔ نماز کا حکم اسلام کی نظر میں اس درجہ اہم تھا کہ بغیر عذر کے ترک کر دینے والے کو گناہ کبیرہ کا مرتکب اور کافر تصور کیا گیا ہے۔

---

[۱] وسائل، ج ۳ ص ۱۹ [۲] وسائل، ج ۳ ص ۱۶

امام جعفر صادقؑ نے نقل کیا کہ ایک شخص رسول خداؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! مجھے کوئی نصیحت کیجئے، آپ نے کہا: نماز جان بوجھ کر ترک نہ کرو کہ جو بھی جان بوجھ کر ایسا کرے گا امت اسلام اس سے بیزار ہے۔[۱]

جابر نے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: کفر و ایمان کے درمیان صرف ترک نماز کا فاصلہ ہے۔[۲]

نماز عبادتوں میں ایک عبادت ہے، لہٰذا قصد قربت سے پڑھنا چاہئے، چونکہ دکھاوا اور ریا اس کے باطل ہونے کا باعث ہے۔

نماز میں خدا کی جانب توجہ اور حضور قلب ضروری ہے۔ ذکر، قرأت، رکوع، سجود، تشہد اور سلام نماز کے پیکر کی تشکیل دیتے ہیں لیکن حضور قلب روح نماز کے مانند ہے، روح نماز حضور قلب کے ساتھ خدا کی سمت روانہ ہوتی ہے تا کہ منزل قرب تک پہنچ جائے۔ اگر چہ حضور قلب نماز کی صحت میں شرط نہیں ہے لیکن اس کی اہمیت اور قبولیت کا معیار ضرور ہے۔ نماز کی اہمیت اور قبولیت توجہ کے اعتبار سے اسی لئے اکثر احادیث میں حضور قلب کی تاکید ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: بعض لوگوں کی نمازیں نصف، ثلث، ربع، خمس اسی طرح دس تک مورد قبول ہوتی ہیں۔ اور بعض لوگوں کی نمازیں پھٹے پرانے لباس کی طرح نماز گذار کے منھ پر ماردی جاتی ہیں۔ تمہیں نماز کا اتنا ہی فائدہ ہوگا جتنا حضور قلب تھا۔[۳]

---

[۱] وسائل، ج ۳ ص ۲۹ [۲] بحار، ج ۸۴ ص ۲۶۰ [۳] بحار، ج ۸۴ ص ۲۶۰

رسول خداؐ نے فرمایا: جو کوئی نماز کی حالت میں غیر خدا کی طرف توجہ کرے تو خدا اس سے کہتا ہے: اے میرے بندہ! کس کا ارادہ ہے اور کس سے طلب کر رہے ہو؟ کیا میرے علاوہ کسی پروردگار کی جستجو ہے؟ جب کہ میں سب سے زیادہ کریم اور بخشنے والا اور جزا دینے والا ہوں، نماز کی تمہیں وہ جزا دوں گا جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ مجھے یاد رکھو اس لئے کہ میں اور میرے فرشتے تمہاری طرف توجہ رکھتے ہیں۔

لہٰذا اگر نماز گذار کی توجہ خدا کی طرف ہو تو گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اور اگر دوسری بار پھر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوا، تو خدا اسی کی تکرار کرتا ہے۔ لہٰذا اگر باز آ کے خدا کی طرف توجہ کرے تو خدا بھی اس کے گذشتہ گناہ سے چشم پوشی کرتا ہے، پھر تیسری بار بھی غیر اللہ کی طرف توجہ کی پھر خدا تکرار کرتا ہے لہٰذا اگر اس کی توجہ خدا کی طرف ہو گئی تو خدا بھی اس کے گذشتہ گناہ کو بخش دیتا ہے لیکن اگر اسی طرح چوتھی دفعہ خدا کی طرف توجہ نہ کر سکا تو خدا اور فرشتے اس سے گریز کرتے ہیں، اور خدا کہتا ہے: اے بندہ! جو تم چاہتے اور طلب کرتے ہو میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔[۱]

اقسام نماز

نماز کی دو قسم ہے: واجبی نمازیں، مستحبی نمازیں، واجب نمازیں پانچ قسم کی ہیں:

۱: روزانہ کی واجب نمازیں کہ نماز جمعہ بھی انہی میں سے ہے۔ روزانہ

---

[۱] بحار، ج ۸۴ ص ۲۴۴

کی نمازیں ۱۷ سترہ رکعت ہیں جو شب و روز میں پڑھی جاتی ہیں: نماز ظہر، عصر، چار چار رکعت، مغرب تین رکعت، عشاء چار رکعت، صبح دو رکعت۔

دوم: نماز آیات، یہ دو رکعت نماز ہے جو مخصوص موقعوں پر مخصوص کیفیت سے پڑھی جاتی ہے۔ نماز آیات اس وقت واجب ہوتی ہے جب چاند سورج کو گہن لگے یا زلزلہ آجائے یا کوئی ایسا آسمانی حادثہ رونما ہو جائے جس سے سارے لوگ خوفزدہ ہو جائیں۔

سوم: نماز میت ہے، یہ نماز مخصوص کیفیت کے ساتھ مسلمانوں کے مردوں پر پڑھی جاتی ہے۔

چہارم: حج واجب کے طواف کی نماز ہے۔ یہ نماز دو رکعت ہے، جو طواف حج اور عمرہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

پانچویں: باپ کی قضا نمازیں بڑے بیٹے پر واجب ہوتی ہے۔

دوسری قسم مستحبی نمازوں کی ہے۔ مستحب نمازیں بہت زیادہ ہیں انھیں میں روزانہ کے نوافل بھی ہیں کہ روزانہ واجب نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ نماز ظہر و عصر کی نافلہ ۸/رکعت ان دونوں نمازوں سے قبل یہ نافلہ دو دو رکعت کر کے پڑھی جائے گی، مغرب کی نافلہ چار رکعت مغربؓ کے بعد اور نماز عشا کی نافلہ دو رکعت بیٹھ کر پڑھی جائے گی اور نماز صبح سے پہلے دو رکعت۔ نماز شب بھی ایک مستحب موکد نماز ہے جو سحر کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ نماز شب گیارہ رکعت ہے

جونماز شب کی نیت سے پڑھی جائے گی۔ دو دو رکعت کر کے ۸/رکعت اور دو رکعت نماز شفع اور ایک رکعت نماز وتر کے عنوان سے پڑھی جائے گی۔

مستحب نمازیں بہت زیادہ ہیں جو شرع کی جانب سے مخصوص مقام پر پڑھی جاتی ہیں۔ شائقین حضرات دعاؤں کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ واجب نمازوں کی مکمل جان کاری اور اس کی کیفیت اور مربوط مسائل کے لئے فقہی کتابوں کوملاحظہ کریں۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱- نماز گذار روزانہ کیا کرتا ہے؟

۲- درس میں مذکورہ کسی ایک آیت کو لکھیئے؟

۳- پیغمبر کی آخری وصیت کیا تھی؟

۴- پیغمبرؐ نے کس کے متعلق فرمایا کہ مجھ سے نہیں ہے؟

۵- نماز قائم کرنے کے کیا معنی ہیں؟

۶- پیغمبرؐ نے کس چیز کو کفر اور ایمان کے مابین فاصلہ قرار دیا ہے؟

۷- نماز کی اہمیت اور اس کی قبولیت کا کیا معیار ہے؟

۸- روزانہ کی واجب نمازیں کتنی ہیں؟

۹- نماز آیات کب واجب ہوتی ہے؟

۱۰- روزانہ کے نوافل کی تشریح کیجئے؟

سبق ۶

روزہ

اسلام کی عظیم عبادتوں میں ایک روزہ بھی ہے۔ روزہ دار روزہ کی نیت سے طلوع فجر سے مغرب تک کھانے، پینے، انزال منی (منی باہر نکالنے) خدااور پیغمبر کی جانب جھوٹی نسبت دینے، پانی میں سرڈبونے، مباشرت کرنے، حالت جنابت پر باقی رہنے، قے کرنے، حقنہ کرنے سے پرہیز کرتا ہے۔ روزہ ایک عبادت ہے جس کوقربت کی نیت سے انجام دینا چاہئے، ریا سے روزہ باطل ہو جاتا ہے۔

روزہ تمام عبادتوں کے درمیان قابل امتیاز اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی نضیلت میں بے شمار حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

رسول خداؐ نے فرمایا: روزہ آتش جہنم کا سپر ہے۔[۱]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: خداوند عالم فرماتا ہے: روزہ میرا ہے اور میں اس کی جزا ہوں۔[۲]

عضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: روزہ دار کا سونا عبادت، خاموشی تسبیح، اس کا عمل مقبول اور دعائیں مستجاب ہیں۔[۳]

رسول خداؐ نے فرمایا: خداوند عزوجل فرماتا ہے: بندوں کے تمام نیک

---

[۱] کافی، ج ۴ ص ۶۲ [۲] کافی، ج ۴ ص ۶۳ [۳] وسائل الشیعہ، ج ۷ ص ۲۹۷

اعمال کی جزا دس سے سات سو گنا تک دی جائے گی، سوائے صبر کے کہ وہ مجھ سے مخصوص ہے اور اس کی جزا خود میں ہوں۔ صبر کا ثواب صرف خدا جانتا ہے اور صبر سے مراد روزہ ہے۔[۱]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اسلام کی بناء پانچ چیزوں پر ہے: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ولایت۔[۲]

اسلام میں واجب روزہ کا وقت ماہ مبارک رمضان ہے۔ ہر اس مسلمان پر جو شرعی طور پر معذور نہ ہو اور سن بلوغ کو پہنچ چکا ہو اس پر واجب ہے کہ پہلی رمضان سے آخری رمضان تک روزہ رکھے اگر بغیر عذر شرعی کے افطار کرے یعنی روزہ نہ رکھے تو عظیم گناہ کا مرتکب ہوگا، اس روزہ کی قضا بھی کرے اور کفارہ بھی دے یعنی ہر روزہ کے عوض ساٹھ روزہ رکھے یا ساٹھ فقیر کو کھانا کھلائے یا ایک غلام آزاد کرے۔

روزہ چند قسم کے لوگوں سے ساقط ہے:

۱۔ ایسا بیمار جس کے لئے روزہ رکھنا ضرر کا باعث ہو۔

۲۔ ایسا مسافر جس کا آنا اور جانا ملا کر ۸ر فرسخ سے زیادہ ہو۔

۳۔ ایسی عورت جو خون حیض یا نفاس دیکھے۔

۴۔ ایسی عورت جس کی ولادت کا زمانہ قریب ہو اور روزہ رکھنا اس

---

[۱] وسائل الشیعہ، ج ۷ ص ۲۹۵ [۲] کافی، ج ۴ ص ۶۲

کے لئے نقصان کا باعث ہو۔

۵- ایسی عورت جو بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے دودھ کم ہو جانے کا اندیشہ ہو اور اس کے لئے یا بچہ کے لئے نقصان کا باعث ہو۔

یہ پانچ قسم کے افراد ماہ مبارک رمضان میں افطار کریں گے اور بعد میں قضا کرلیں گے لیکن گناہ اور کفارہ نہیں ہے۔

۶- وہ بوڑھے مرد اور عورت جو روزہ نہیں رکھ سکتے یا ان کے لئے بہت دشوار ہے۔ یہ لوگ بھی افطار کر سکتے ہیں (یعنی روزہ نہیں رکھیں گے) اور ان لوگوں پر قضا بھی واجب نہیں ہے۔[۱]

جو کچھ روزہ کی تعریف یا اس سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ فقہاء کے فتویٰ کے مطابق تھے لیکن علماء اخلاق وجوب امساک کی وسعت کے قائل ہیں یہ لوگ کہتے ہیں: اگر چہ فقہاء کا اصطلاحی روزہ صحیح ہے اور تکلیف بھی ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اس کی قبولیت کے لئے اور بھی دوسری چیزوں سے اجتناب لازم ہے اور وہ تمام گناہوں کا ترک کرنا ہے علماء فرماتے ہیں: انسان کا روزہ اس صورت میں کامل وقبول ہے کہ اس کے تمام اعضاء و جوارح روزہ دار ہوں۔ یعنی آنکھ، کان، زبان،

---

[۱] ماہ رمضان کے روزہ کے علاوہ بھی واجب روزے ہیں، اسی طرح مستحبی روزے بہت زیادہ ہیں حرام اور مکروہ روزے بھی ہیں جن کا ذکر فقہی کتابوں اور توضیح المسائل میں آیا ہے ان کی معلومات اور اس سے متعلق مسائل کے لئے فقہی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

ہاتھ، پاؤں سے بھی ہونے والے گناہوں سے پرہیز کرے۔ اور کلی طور پر روزے کے دنوں میں تمام گناہوں کو ترک کردے۔ ایسے روزہ کو خاص لوگوں کا روزہ کہتے ہیں۔

اس روزہ سے بھی اونچا روزہ خاص الخاص کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار فقہی مفطرات سے پرہیز اور گناہوں کے ارتکاب کے علاوہ اپنے دل کو بھی غیر خدا کی طرف متوجہ نہ ہونے دے، خدا کو حاضر و ناظر اور خود کو اس کے دسترخوان پر محسوس کرے، علماء اخلاق نے یہ عظیم بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہے بلکہ اہلبیتؑ کی احادیث سے لی ہے۔ نمونہ کے طور پر:

محمد بن عجلان کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: روزہ صرف کھانے پینے سے اجتناب کا نام نہیں ہے بلکہ جب تک تم روزہ سے ہو تو آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ وغیرہ کو بھی روزہ سے ہونا چاہیئے۔ اپنے ہاتھ اور شرمگاہ کی بھی حفاظت کرو، زیادہ تر خاموش رہو لیکن اگر اچھی بات ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ روزہ کی حالت میں اپنے نوکروں سے نرمی کرو۔[۱]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب روزہ رکھو تو یہ خیال رہے کہ تمہاری آنکھ، کان حرام اور برے افعال سے محفوظ رہیں۔ جھگڑا لڑائی، خادموں کو اذیت نہ دو اور روزہ کا وقار تم سے ظاہر ہو۔ روزہ کا دن افطار کے دن کی طرح نہ ہو۔[۲]

---

[۱] وسائل الشیعہ، ج ۷ ص ۱۱۸ [۲] وسائل، ج ۷ ص ۱۱۷

رسول خداؐ نے فرمایا: جو ماہ رمضان میں خاموشی کے عالم میں روزہ رکھے، آنکھ، کان، زبان، شرمگاہ، اعضاء و جوارح کو جھوٹ، حرام، غیبت سے "صرف اللہ کی قربة کے لئے" محفوظ رکھے، خدا اُسے اپنے سے نزدیک کرتا ہے اس طرح کہ جیسے اس کے قدم حضرت ابراہیمؑ (خلیل) کے قدموں سے ملے ہوئے ہیں۔[۱]

روزہ دار خداوند عالم کا مہمان ہے لہٰذا ضیافت کے آداب کی رعایت کرنا چاہئے، اور اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ واقعی روزہ دار بننے کی کوشش کرے تاکہ میزبانی کے انعامات سے فیضیاب ہو۔ ایسا انعام جو دنیاوی انعاموں سے کہیں بلند اور بالا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تم میں سے جو روزہ دار ہیں وہ جنّت کے باغ کی سیر کرتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فرشتے ان کے لئے افطار کے وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں۔[۲]

امیر المومنینؑ نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے کہ شب معراج پیغمبرؐ نے خداوند عالم سے عرض کی: خدایا سب سے پہلی عبادت کیا ہے؟ فرمایا: پہلی عبادت روزہ ہے عرض کیا: روزہ کا ثمرہ کیا ہے؟ فرمایا: روزہ کے پیچھے حکمت ہے، اور حکمت معرفت کا سبب ہے، اور معرفت یقین کا سبب ہے۔ جب بندہ اہل یقین ہو جاتا ہے تو پھر اسے یہ خوف نہیں رہ جاتا کہ سختی یا آسانی میں وہ کیسا ہوگا۔[۳]

---

[۱] وسائل، ج ۷ ص ۱۱۷ [۲] وسائل، ج ۷ ص ۲۹۶ [۳] مستدرک الوسائل، ج ۱ ص ۵۹ ۔

حسن بن صدقہ نے حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: نصف روز قیلولہ کرو، اس لئے کہ خداوند عالم نیند کی حالت میں روزہ دار کو کھانا اور پانی دیتا ہے۔[۱]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: رسول خداؐ نے ایک روز ہمارے لئے خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! خدا کا مہینہ برکت و رحمت اور مغفرت لے کر آیا ہے، خدا کے نزدیک سب سے بہتر مہینہ ہے۔ اس ماہ کے روز و شب تمام ماہ سے عظیم اور بہترین ہیں اور اس کے ہر گھنٹے دیگر ایام کے گھنٹوں سے بہتر ہیں۔ اس ماہ میں خدا کی مہمانی کی دعوت دی گئی ہے۔ اور خداوند عالم کے لطف و کرم اور نظر عنایت تمہارے شامل حال ہے۔ تمہاری سانسوں کا ثواب تسبیح کے برابر اور سونا عبادت ہے، اس میں تمہاری دعائیں اور اعمال مقبول ہیں۔[۲]

روزہ کی حکمت

روزہ تزکیہ نفس اور خدا کی سمت سیر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر روزہ قانون شریعت کے مطابق ہو تو غفلت اور گناہ کے زنگ کو دل سے صاف کر دیتا ہے اور اسے پاکیزہ اور نورانی بنا دیتا ہے، شیطانوں کو دل سے نکال پھینکتا ہے، اور ملائکہ کی آمد حکمت و معرفت نیز علم و یقین کی روشنیوں کے لئے اسے آمادہ کرتا ہے۔ ایسا روزہ دار خداوند عالم کا مہمان ہوتا اور خداوندی انعامات کے حصول کی صلاحیت پیدا کرتا

---

[۱] کافی، ج ۴ ص ۶۵ [۲] وسائل الشیعہ، ج ۷ ص ۲۲۷

ہے۔ بلاشبہ خداوند مہربان کی عنایتوں کا مرکز بنتا ہے۔

روزہ کی دوسری حکمت یہ ہے کہ مالدار روزہ دار بھوک کی لذت سے آشنا ہوں اور ضرورت مندوں اور بھوکوں کی فکر کریں اور ان کی مدد کریں۔ احادیث میں بھی اس موضوع کی جانب اشارہ ہوا ہے۔

ہشام بن حکم نے امام جعفر صادقؑ سے روزہ کا فلسفہ پوچھا، تو حضرتؑ نے جواب دیا: خداوند عالم نے روزہ اس لئے رکھا ہے تا کہ مالدار فقراء کے برابر ہوں۔ اس لئے کہ مالدار انسان بھوک کی لذت سے آشنا نہیں ہوتا تا کہ فقیر کی مدد کرے، خدا نے چاہا کہ روزے کے ایام میں مالدار بھوک کی تلخی سے آشنا ہو کر فقیروں پر رحم کرے۔[۱]

امام علی رضاؑ نے محمد بن سنان کے جواب میں لکھا: روزہ کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روزہ دار بھوک اور پیاس کا مزہ چکھے، تا کہ ذلّت واحتیاج کو سمجھ سکے اور اجر و ثواب کا حقدار ہو سکے اور آخرت کی سختیوں کی راہنما ہو اور خواہشات نفسانی کے کچلنے کا ذریعہ اور پند و نصیحت کا وسیلہ اور آخرت کا راہنما ہو، تا کہ دنیا و آخرت میں فقر و تنگدستی کا مفہوم سمجھ میں آسکے۔[۲]

مذکورہ حکمت کی مدد سے دنیا کی بھوک کا کسی حد تک علاج کیا جا سکتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ اگر دنیا کے تمام صاحبان ثروت روزہ دار اپنا ایک وقت کا کھانا روک کر

---

[۱] وافی، ج ۱۱ ص ۳۳ [۲] وافی، ج ۱۱ ص ۳۴

ذخیرہ کریں اور تمام ملک کے مسلمانوں کی مدد کریں تو ایک قابل اہمیت فقراء کی مدد ہوگی۔ زکوٰۃ فطرہ اگر ہر مالدار اپنا اور اپنے اہل وعیال کا نکال دے یا خیرات اور صدقے اس مہینے میں مستحب ہیں اس رقم میں اضافہ کر دے تو کافی رقم فقراء ومساکین کی مدد کے لئے ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ رقومات کی وصولیابی کا صحیح مصرف ہو۔

روزہ کا تیسرا سب سے اہم فائدہ اور فلسفہ یہ ہے کہ نفس ترک گناہ کا عادی ہوتا ہے اور تقویٰ پر عامل سچا اور واقعی روزہ دار پورے ایک ماہ توجہ کے ساتھ ہر طرح کے گناہ کے ارتکاب سے اجتناب کرتا۔ بلکہ روزہ کی وجہ سے بہت ساری مشروع اور جائز جیسے: کھانے، پینے سے چشم پوشی کرنا ہے اور اس جسمانی اور نفسانی ریاضت کا سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہتا ہے، ایسا شخص ایک ماہ کی حفاظت سے صاحب قدرت اور توانا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی ایسی حفاظت پر قادر ہو کر صاحب تقویٰ بن سکتا ہے۔ یہ اہم نتیجہ ہے جو روزہ رکھنے سے حاصل ہوتا ہے قرآن کریم میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: اے صاحبان ایمان روزہ تم پر فرض ہے، جس طرح تم سے پہلے والوں پر بھی واجب ہوا تھا۔ شاید کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔[۱]

---

[۱] سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۳

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱- روزہ دار کو کن چیزوں سے اجتناب کرنا چاہئے؟

۲- روزہ آتش جہنم کی سپر ہے یعنی کیا؟

۳- اگر کوئی بغیر کسی عذر شرعی کے کھائے پیئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۴- کون لوگ روزہ نہیں رکھ سکتے؟

۵- خواص کا روزہ کس طرح کا ہے؟

۶- خواص الخواص کا روزہ کس طرح کا ہے؟

۷- احادیث میں کامل روزہ کی توصیف کس طرح ہوئی ہے؟

۸- مہمان روزداروں کے لئے خدا کا انعام کیا ہے؟

۹- بھوک کا مزہ چکھنے کا فلسفہ کیا ہے؟

۱۰- ایک وقت کا کھانا ذخیرہ کرنا غریبوں کی زندگی میں کیا اثر رکھتا ہے؟

۱۱- روزہ رکھنا تقویٰ میں کیا تاثیر رکھتا ہے؟

سبق ۷

حج

حج دین اسلام میں سب سے اہم عبادت اور اسلام کے ارکان میں ایک رکن ہے۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور ولایت۔

حج ایک عبادت ہے، لہٰذا قربت کی نیت سے بجالانا چاہئے۔ اس لئے کہ ریا عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ حج کی رسومات مکہ، حرم اور ذی الحجہ کے مخصوص دنوں میں ادا کئے جاتے ہیں، لہٰذا جس مکلّف پر وہاں تک جانے اور آنے کا خرچ ہو تو اس پر واجب ہے کہ ایک بار حج کرے اور وہاں کے تمام مراسم کو ادا کرے، لیکن اس کے بعد مستحب ہے حج ایک عظیم اور جامع عبادت ہے جس کی قانون گذاری میں مختلف اغراض ہیں، اگر صحیح انجام دیا گیا تو حاجی اور امت اسلامیہ کے لئے عظیم اور قابل ذکر اہمیت کا حامل ہے جس کے لئے خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ لوگوں کو اس کی سمت دعوت دیں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: لوگوں کو حج کی دعوت دو تا کہ پیدل یا لاغر اونٹوں پر سوار چاروں طرف سے تمہاری طرف آئیں اور اپنے فوائد کا مشاہدہ کریں

اور معین دنوں میں قربانی کے جانوروں کو ذبح ہوتے وقت خدا کا نام لیں، اس کے بعد اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقراء و مساکین کو بھی دو۔[۱]

خدا کی طرف توجہ اور نفس کی طہارت

حج کا ایک سب سے اہم فائدہ اور مقصد یہ ہے کہ انسان اس سے نفس کو پاکیزہ بناتا اور خدا کا قرب حاصل کرتا ہے، حج ایک روحانی اور معنوی سفر ہے۔ حاجی اپنی روانگی سے پہلے ہی خود کو خانہ خدا کی زیارت اور خدا کے سامنے حاضر ہونے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ اپنے گذشتہ گناہوں (جو خدا سے دوری کا سبب ہیں) سے توبہ کرتا ہے۔ اگر کوئی مقروض ہے یا اس کی گردن پر ظلم کا بوجھ ہے تو اسے ادا کرتا اور اسے راضی کرتا ہے۔

اور جب آمادہ ہو جاتا ہے تو تمام دنیاوی امور چھوڑ کر خدا اور خانہ خدا کی سمت چل پڑتا ہے۔ پورے سفر میں اپنے آپ کو خدا کا مہمان اور اس کے سامنے تصور کرتا ہے اور مسلسل اس کی یاد میں رہتا ہے۔ حج و عمرہ کے مراسم بصیرت اور ان کی حکمتوں کی جانب توجہ کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ اور جب دو پاک و پاکیزہ سفید کپڑوں میں محرم ہو جاتا ہے تو اپنے باطن کو گناہوں اور دنیاوی تعلقات سے پاک کرتا ہے، اور خداوند عالم کی دعوت کو قبول کرنے کے عنوان سے زبان پر الھم لبیک جاری کرتا ہے، احرام کے زمانے میں کوئی غلط کام انجام نہیں دیتا۔

---

[۱] سورۂ حج، آیت: ۲۷-۲۸

ایسے حال میں خانہ خدا کی سمت حرکت کرتا ہے، جتنا نزدیک ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اس کا دل خدا سے قریب ہوتا جاتا ہے، طواف کعبہ، نماز طواف، صفا و مروہ دو پہاڑی کے درمیان سعی کی صورت میں مستقل ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے اور خود کو اس کے حضور میں محسوس کرتا ہے۔

میدان عرفات میں قیام سے میدان محشر کے حساب و کتاب بنفسہ مشاہدہ کرتا ہے، منیٰ کی طرف کوچ کرتے وقت اور مشعر میں قیام کے موقع پر اپنے آپ کو خدا کی جانب بڑھتا ہوا محسوس کرتا ہے، رمی جمرات کے وقت نفس امارہ اور شیطان پر پتھر برساتا ہے۔ اور جانوروں کے ذبح کے وقت منیٰ کی قربان گاہ میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے مرتبہ اطاعت اور ایثار کو یاد کرتا ہے۔ اسی طرح تمام مراسم حج کو انجام دیتا ہے۔ اور آخر میں یہ طے کرتا ہے کہ پھر کبھی گناہ کا ارتکاب نہ کرے گا اور حاجی کے تقدس اور اہمیت کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھے گا۔

پھر وہ پاکیزہ قلوب، نورانی صورت، مطمئن دل، پُر سکون انداز، پختہ ارادہ اور مقبول حج کے ساتھ اپنے وطن لوٹتا ہے۔

مذکورہ فوائد حج کے اہم ترین منافع میں شمار ہوتے ہیں جسکا تذکرہ احادیث میں بھی ہوا ہے۔ مثال کے طور پر:

امام صادقؑ نے فرمایا حج اور عمرہ آخرت کے بازاروں میں دو بازار ہیں، جو بھی حج اور عمرہ کے لئے جاتا ہے وہ رحمت الٰہی کے جوار میں ہوتا ہے۔ اگر اعمال

ومناسک حج بجالانے کی توفیق ہوگئی تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اگر موت نے موقع نہیں دیا تو اس کا اجر خدا پر ہے۔[۱]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب لوگ میدان منیٰ میں اپنے خیموں میں ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ کا منادی آواز دیتا ہے: اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ تم کس کے جوار میں ہو تو یقین کرتے کہ خداوند عالم تمہارے اہل وعیال اور اموال کی حفاظت بعنوان جانشین کرتا ہے، اور تمہیں بخش دیتا ہے۔[۲]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب حج کا ارادہ کرو تو اپنے دل کو تمام چیزوں سے ہٹالو اور اپنے امور خدا کے حوالے کردو اور تمام حرکات وسکنات میں خدا پر بھروسہ کرو اور اس کی قضا وقدر کے سامنے سر جھکادو، دنیا اور اس کے سکون کو لوگوں کے حوالے کردو، خود کو لوگوں کے حقوق سے بری کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب تمہارے لئے وبال جان بن جائیں۔ اس لئے کہ جو کوئی خدا کی رضا کا طالب ہو اور کسی اور پر اعتماد کرتا ہو خدا اسی چیز کو وبال کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ سفر حج کے لئے اس طرح آمادہ ہو کہ رجوع کی امید نہ ہو۔ اپنے ہمسفر ساتھیوں سے حسن سلوک کرو، واجبات الٰہی اور سنت پیغمبرؐ کے اوقات کا لحاظ کرو۔ آداب اسلامی، مصائب پر صبر وشکر، مہربانی، سخاوت اور ایثار کا لحاظ رکھو۔ پھر اس وقت توبہ کے خالص پانی سے اپنے گناہوں کو دھوؤ، صدق وصفا، خضوع وخشوع کا لباس پہنو، اور جاہے جتنا کوئی چیز تمہیں یاد الٰہی اور اس کی اطاعت

---

[۱] کافی، ج۴ص۲۴۰ [۲] کافی، ج۴ص۲۶۳

سے رو کے محرم ہو جاؤ۔ اس کے بعد خالص اور صادق لبیک سے اللہ کی دعوت قبول کرو۔ اور خدا کی مضبوط رسی کو تھام لو۔ اور اسی حال میں جب کہ تمام مسلمانوں کے ہمراہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہو اپنے دل کے ساتھ ملائکہ کے ہمراہ عرش کا طواف کرو، ہرولہ (نرم رفتاری) میں خواہشات نفسانی کے حرکت کرنے سے پرہیز کرو۔

جب میدان عرفات سے منیٰ کی طرف کوچ کرو تو اپنی طاقت سے برائت کر کے غفلتوں اور نفرتوں سے نجات پاؤ، اور جو چیزیں تم پر حلال نہیں ہیں اور اس کے مستحق بھی نہیں ہو تمنا نہ کرو۔

میدان عرفات میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرو اور خداوند متعال سے اس کی وحدانیت سے متعلق تجدید عہد کرو۔ مزدلفہ میں خدا کے قرب کی تلاش اور تقویٰ اختیار کرو، جب پہاڑ کی بلندی پر جاؤ تو اپنی روح کو بھی ملأ اعلیٰ تک پہنچاؤ۔ قربانی کرتے وقت خواہشات نفسانی اور لالچ کا گلا کاٹ دو۔ رمی جمرات کے موقع پر خواہشات، شہوتوں، اخلاقی گراوٹ اور بیہودگی پر بھی سنگ بارانی کرو، سر منڈاتے وقت اپنے ظاہری اور باطنی عیوب کو بھی دور کرو۔

جب حرم میں داخل ہو تو خود کو مراد پانے کے لئے خدا کے حفظ وامان میں محسوس کرو۔ نیز صاحب بیت کی تعظیم اس کی جلالت اور قدرت کی معرفت کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ طواف کے وقت برضا و خوشی حجر اسود کو مس کرو اور آخری طواف میں خدا کے علاوہ سب کو بھلا دو، اور جب صفا پہاڑی پر قیام کرو تو اپنی روح اور باطن کو خدا کی

ملاقات کے لئے پاکیزہ بناؤ۔ اور جب مروہ پہاڑی کی بلندی پر جاؤ تو خود کو تقویٰ کے ساتھ خدا کے حضور میں تصور کرو۔ اور قیامت تک خدا سے کئے عہد و پیمان پر باقی رہو۔

یہ جان لو کہ خداوند عالم نے حج واجب نہیں کیا اور تمام عبادتوں میں اپنی جانب نسبت نہیں دی (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) اور پیغمبر نے اسے مناسک حج کے درمیان ترتیب وار قرار نہیں دیا مگر اس لئے کہ صاحبان عقل و ہوش کے لئے ان مناسک کے مشاہدہ کے بعد موت، قبر اور قیامت، نیکوکاروں کا بدکاروں سے جدا ہونا اور جنتیوں کا جنت میں داخل ہونا یا جہنمیوں کا جہنم میں داخل ہونا منظور ہو کہ اس کے لئے آمادگی کرے۔[۱]

رسول خداؐ نے فرمایا: حج کے قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب حاجی اپنے وطن واپس آئے تو پھر گناہ کا ارتکاب نہ کرے، اور اگر واپسی کے بعد بھی بدستور سابق گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ جیسے: زنا، خیانت، یا کوئی اور گناہ تو اس کا حج مقبول نہیں ہے۔[۲]

پیغمبر اکرمؐ نے خطبۂ غدیر میں فرمایا: اے لوگو! ایمان کے کمال اور مسائل حج کی معرفت کے ساتھ حج کے لئے جاؤ، اور مشاہدہ مشرفہ کی زیارت سے توبہ اور گناہوں کا قلع قمع کرو۔[۳]

---

[۱] مستدرک الوسائل، ج ۲ ص ۱۸۷ [۲] مستدرک، ج ۲ ص ۱۸۶ [۳] مستدرک وسائل، ج ۲ ص ۱۸۸

امت اسلامیہ کا عالمگیر اجتماع

حج کا دوسرا فائدہ امت اسلام کے عمومی اجتماع میں شرکت ہے۔ مراسم حج اسلام کی ایک عالمی کانفرنس ہے جو ہر سال حرم الٰہی کے جوار میں منعقد ہوتی ہے۔ ہر ملک سے مسلمان شریک ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے اقتصادی، سیاسی، سماجی اور دیگر مشکلات سے آشنا ہوتے ہیں۔ اور مشکل کا راہِ حل نکالتے ہیں۔ ایک دوسرے کے آداب ورسومات، اخلاق اور تہذیب سے آشنا ہوتے ہیں۔

مذکورہ فائدہ گذشتہ آیت میں مذکور منفعتوں میں ایک ہے: (لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ) اسلام دنیا کے تمام مسلمانوں کو خواہ کہیں اور کسی مذہب کے پیرو ہوں ایک امت تصور کرتا ہے کہ سب کی ذمہ داریاں اور فوائد ایک ہیں۔ یہ ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

۱- خالص اسلام کی تہذیب اور تبلیغ کی نشر واشاعت آپس میں اور تمام دیگر ملتوں کے درمیان۔

۲- شرک اور بت پرستی کے خلاف جنگ، خواہ بے روح مجسمہ کی پرستش ہو یا انسانی طاغوتوں کی جو حریم الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں اور خود کو قانون گذار، صاحب اختیار اور واجب الاطاعت سمجھتے ہیں۔

۳- ممالک اور اسلامی مذاہب کے درمیان وحدت میں استحکام کی کوشش کرنا۔

۴۔ عظیم امت اسلامیہ کی آزادی واستقلال کا تحفظ۔

۵۔ اسلامی ممالک میں دشمنوں کے تسلط سے جنگ کرنا۔

۶۔ اسلامی سرزمین کا دفاع۔

۷۔ اسلام کا دفاع اور اسلام مخالف سازشوں سے جنگ۔

۸۔ دنیا میں مسلمانوں کے حقوق کا دفاع۔

۹۔ گھٹیا تہذیب کے رواج سے جنگ اور دشمنان اسلام کے اخلاقی مفاسد سے جنگ۔

۱۰۔ جوان نسل کی ہدایت وراہنمائی۔

۱۱۔ عورتوں کے حقوق کا دفاع۔

۱۲۔ بچوں کے حقوق کا دفاع۔

۱۳۔ محرومین اور کمزور طبقے کا دفاع۔

۱۴۔ مظلوموں اور ستم دیدہ افراد کا دفاع۔

امت اسلامیہ اس وقت ایک مستقل اور قوی انداز اور باعظمت طور پر زندگی گذار سکتی ہے جب ایک امت ہو جائے، اور اس کی ہر فرد اس اتحاد و یکجہتی کے لئے کوشاں رہے۔ ایسے اہم اور حیات بخش امر کا تحقق بغیر منظّم پروگرام اور عالمی قوت کے ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا ایک عام اجتماع عالم اسلام کے لئے ضروری ہے، ایسی انجمن جس میں ہر ملک اور مذہب کے افراد سرگرم رکن ہوں، تا کہ عالم اسلام سے متعلق امور میں مشورہ، تبادلۂ خیال اور فیصلہ کریں، اور اپنی رائے کے متعلق ممالک کو ارسال کریں۔ نیز اسلامی ممالک عام میٹنگ اور کمیشن میں شرکت کریں، اور اہم مسائل یا عالم اسلام میں رونما ہونے والے حادثات پر ناظر ہوں، اور مراسم حج کے موقع پر بھی ایک عالمی پیمانہ پر کانفرنس کریں۔

اس طرح کی وسیع اور عالمگیر انجمن کا ہونا ضروری ہے اور اس کا مرکز کسی ایک اسلامی ملک ہی میں ہو، لہٰذا اس اہم کام کے لئے حرم امن الٰہی جوار بیت اللہ اور خانہ توحید سے بہتر کون سی جگہ ہو سکتی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: سب سے پہلا گھر جو اللہ کے لئے بنایا گیا ہے وہ مکہ میں خدا کا گھر ہے۔ ایسا گھر جو دنیا کے لئے جائے امن اور برکت اور ہدایت ہے وہاں روشن اور واضح نشانیاں اور مقام ابراہیمؑ ہے جو اس میں داخل ہو گیا محفوظ ہو گیا۔ اس کا حج ان کے لئے جو خانۂ خدا تک جانے کی استطاعت رکھتے ہیں واجب ہے اور جو اس سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ خدا عالمین سے بے نیاز ہے۔[۱]

ارشاد ہوتا ہے: میں نے کعبہ کو لوگوں کے لئے مقام اجتماع اور جائے امن

---

[۱] سورہ آل عمران، آیت: ۹۶-۹۷

قرار دیا ہے لہٰذا مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ قرار دو، اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو حکم دیا کہ میرے گھر کو رکوع، سجدہ کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے طاہر و پاکیزہ بناؤ۔[۱]

نیز فرماتا ہے: خدا نے کعبہ، بیت اللہ کو لوگوں کے قیام کا ذریعہ اور بے قلادہ قربانیوں اور ماہ حرام کو قیام کا وسیلہ بنایا تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے خدا جانتا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔[۲]

مذکورہ بالا آیات میں، کعبہ کا ''مُبَارَکاً''، ''هُدیً لِلْعَالَمِیْنَ''، ''مَثَابَةً لِلنَّاسِ''، ''قِیَاماً لِلنَّاسِ'' اور ''مَنْ دَخَلَهُ کَانَ آمِناً'' کے عنوان سے تعارف ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام جگہوں میں سب سے زیادہ مناسب اور بہتر حرم امن الٰہی بیت اللہ کا جوار عام اسلامی اجتماع کے لئے چنا گیا ہے اس سے امت اسلامیہ کا امتیاز، آزادی اور عظمت وابستہ ہے، لہٰذا عالم اسلام کے لئے کوئی ایسی جگہ ہونی چاہئے جو برکت، ہدایت اور تحفظ سے پُر ہو۔

ایسی انجمن کی بنیاد حج کے عظیم ترین منافع میں ہے اگر دنیا کے مسلمان مفکروں اور خیر خواہوں نے ایسی قابل اہمیت انجمن بنائی ہوتی تو یقیناً امت اسلام کی موجودہ حالت گذشتہ کی بہ نسبت الگ ہوتی۔ لیکن افسوس کہ ایسی کوئی انجمن نہیں ہے، اور ایسے حالات میں ایسی انجمن کی بنیاد ڈالنا نہایت دشوار کام ہے۔ لیکن ایک عالمی

---

[۱] سورہ بقرہ، آیت: ۱۲۵ [۲] سورہ مائدہ، آیت: ۹۷

انجمن کی بنیاد کی فکر اصلاح طلب، خیر خواہ اور صاحبان بصیرت کی ذہن میں ڈالی جاسکتی ہے۔اوراس کی ضرورت کی جانب توجہ دلائی جاسکتی ہے اور ایک اسلامی فکر کی شکل میں پیش کیا جائے اوراس کی بنیاد کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

اسلامی ممالک کی انجمنوں کو ایسی کانفرنس منعقد کرنے کی دعوت دی جائے کہ اس کا مرکز مکہ ہو اور اپنے اسلامی پہلوؤں کو مضبوط کریں اور عالم اسلام سے متعلق مسائل میں سرگرم ہوں۔موجودہ صورتحال نیز اپنی مراد پانے سے قبل مراسم کی فرصت سے فائدہ اٹھائیں، اور مختلف عناوین پر حرمین شریفین میں کانفرنسیں منعقد کی جائیں اور طاقت کے بقدر یہ کوشش کی جائے کہ اسلامی ممالک کے درمیان سیاسی، اقتصادی، علمی تعلقات مضبوط ہوں بلکہ عالم اسلامی کے عمومی اجتماع کی بنیاد بھی ڈالی جائے اوراس کے لئے راہ ہموار کی جائے۔اگر یہی کانفرنسیں منظّم پروگرام کے تحت اور میزبان ممالک سے تبادلۂ خیال کے ساتھ ہو تو اسلامی ممالک کے درمیان سمجھوتہ ہوسکتا ہے نیز مشکلات کا حل بھی نکل سکتا ہے۔

اظہار وحدت

حج کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تمام مسلمان مراسم حج میں شریک ہو کر پیمان وحدت کی تجدید کریں اور اپنی قدرت کا کفر وشرک کے مقابل اظہار کریں۔اسلام توحید ونفی شرک کا دین ہے۔پیغمبرؐ کا سب سے اہم اور بڑا مبارزہ شرک اور مشرکین، طاغوت اور طاغوت مزاجوں سے تھا، خدا کی جانب سے آپ کو حکم تھا کہ پوری دنیا میں توحید کا

پرچم لہرا دیں اور جب تک مکمل طور پر بت اور بت پرستی نیز طاغوت اور طاغوت مزاجی نہ ختم ہو جائے چین سے نہ بیٹھیں۔ رسول خداؐ نے بغیر کسی خوف وہراس کے اس عظیم رسالت کو قبول کیا اور علی الاعلان شرک اور مشرکین سے برائت کا اظہار کر دیا اور حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو حکم دیا کہ مراسم حج کی ادائیگی اور لوگوں کے اژدھام تک سورہ برائت کی تلاوت کریں۔

جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: حج اکبر کے روز خدا اور پیغمبرؐ کی جانب سے اعلان ہوا کہ خدا اور پیغمبر مشرکین سے بیزار ہیں، لہٰذا اگر توبہ کرلو تو بھلائی ہے ورنہ سرتابی کی صورت میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کو کمزور نہیں کر سکتے۔ نیز کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دو۔[۱]

پیغمبرؐ اسلام نے لوگوں کے مجمع میں سورہ برائت کی تلاوت کر کے شرک اور مشرکین سے برائت کی اور ان سے علی الاعلان جنگ کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کا قانونی طور پر پروگرام طے کر دیا۔

لیکن رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد اسی پروگرام اور مقصد کی بقا مسلمانوں کی ذمہ داری بن گئی کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ پیغمبر کے مقاصد کے تحقق و بت پرستی اور شرک کا مکمل طور پر قلع قمع کرنے کے لئے طاغوت مزاجوں سے جنگ کریں اور اس وقت تک پرچم توحید کا دفاع اور کفر سے جنگ کریں اور اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہو،

---

[۱] سورہ توبہ، آیت: ۳

نیز پیغمبرؐ اسلام کے مقصد کی تکمیل کے لئے کوشش جاری رکھیں۔ تمام زمانوں اور اس زمانہ میں پرچم توحید اپنی روش پر لیکر مشرکین سے نفرت کا اظہار کریں۔

کیا رسولؐ خدا کا مقصد پورا ہوگیا کہ مسلمانوں نے سکوت اختیار کرلیا؟ کیا اب تک اکثر لوگ بت پرست نہیں ہیں؟ کیا متکبرین لوگوں پر حکومت نہیں کر رہے ہیں؟ کیا دنیا کے کمزور طبقوں نے اپنا حق پالیا ہے؟ کیا اسلام نے کفر پر غلبہ حاصل کر لیا ہے؟ کیا فلسطین کی مقدس سرزمین یہودیوں کے قبضہ میں نہیں ہے؟ کیا بوسنیہ کے مسلمان بلکہ عوام گنہگار صربوں کے ظلم کا نشانہ نہیں ہیں؟ کیا کفر و شرک اور عالم استکبار کا پروگرام اسلام کے نابود کرنے سے متعلق ختم ہوگیا ہے؟ کیا، کیا اور کیا؟ کہ مسلمان مشرکین سے برائت نہ کریں؟ ایسا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے کہ توحید بچی رہے اور دن بہ دن وسعت پیدا ہو اور سارے عالم میں مشرکین سے برائت کی آواز پہنچا دیں۔ لہٰذا اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے جوار بیت اللہ اور حرم امن خداوندی سے بہتر کون جگہ ہوسکتی ہے جو توحید حقیقی کا مرکز اور مسلمانوں کے اژدھام اور حجاج بیت اللہ کا سینٹر (Centre) ہے؟[۱]

---

[۱] حج ایک عبادت ہے جس کے مخصوص مراسم خاص کیفیتوں اور مخصوص ایام میں انجام پاتے ہیں۔ اس عبادت کا طریقہ، واجبات، محرمات اور مبطلات نیز اس سے متعلق مسائل شرح تفصیل طلب ہیں افسوس کہ اس کا موقع یہاں نہیں ہے شائقین فقہی کتابوں، توضیح المسائل اور مناسک کی کتابوں میں ملاحظہ کریں۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱- حضرت ابراہیمؑ کو خدا کی طرف سے کیا حکم ملا؟

۲- حاجی سفر سے پہلے کیا کرتا ہے؟

۳- حاجی پورے سفر میں کس یاد میں رہتا اور خود کو کیسا محسوس کرتا ہے؟

۴- لباس احرام پہنتے وقت کیا کرتا ہے؟

۵- میدان عرفات میں وقوف کے وقت خود کو کیسا پاتا ہے؟

۶- رمی جمرات کے وقت کیا کرتا ہے؟

۷- پیغمبر نے حج کی قبولیت کی کیا علامت بتائی ہے؟

۸- اسلام کی مشترک ذمہ داریاں کیا ہیں؟

۹- ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کن چیزوں کی ضرورت ہے؟

۱۰- ایسی تشکیل کے لئے کون سی جگہ مناسب ہے؟

۱۱- خدا نے کعبہ کا کن عناوین سے تعارف کرایا ہے؟

۱۲- اس کی بنیاد کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

۱۳- اس قانونی تشکیلات سے پہلے حج سے کیا استفادہ کیا جا سکتا ہے؟

۱۴- پیغمبرؐ اسلام کا سب سے اہم مقصد کیا تھا؟

۱۵- علیؑ بن ابی طالبؑ نے مراسم حج میں کیا کیا؟

۱۶- رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد کن لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ پرچم توحید لہرائیں؟

۱۷- اظہار برائت کے لئے کون سی جگہ مناسب ہے؟

سبق ۸

دعا

دعا کے معنی لغت میں پکارنے اور درخواست کے ہیں۔ دعا اس جگہ کی جاتی ہے کہ مدعو (جس کو پکارا گیا ہے) اوّل عقلمند اور باشعور ہو اور دعا کرنے والے کی درخواست کو سنتا اور سمجھتا ہو۔ دوم اس کے قبول کرنے کی طاقت رکھتا ہو اس لئے کبھی کوئی جمادات اور حیوانات سے کوئی درخواست نہیں کرتا۔ اسی طرح کسی عاجز اور ناتواں سے درخواست نہیں کی جاتی، مگر یہ کہ کوئی اپنے تیئں اس کی قدرت کا خیال کر لے۔ جو بندہ خدا کی جانب دست سوال بڑھاتا ہے اسی لئے کہ اس کو حاضر و ناظر، مہربان اور بے نیاز قوی تصور کرتا ہے۔

انسان کے لئے دعا کرنا ایک فطری ضرورت ہے، اس لئے کہ وہ ضرورتمند ہے اور جو کچھ ہے بھی تو وہ خدا کا دیا ہے، بغیر اس کے فیض کے ایک آن نہیں رہ سکتا۔ اپنی ذات، صفات اور افعال میں خدا سے وابستہ ہے، بلکہ عین فقر اور ارتباط ہے ایسی فقیر اور ناتواں مخلوق اپنی مشکلات کے دور کرنے اور ضرورتوں کو پورا کرنے میں یقیناً اپنے بے نیاز، مالک اور پروردگار کی محتاج ہے، اور اپنی زبان سے ذاتی ضرورت اور اپنی واقعی وابستگی کا اعتراف کرے۔ دعا بندگی کی علامت، غم واندوہ کی تسکین اور انسانوں کو زندگی کی بقا کی امید دلانے والی ہے۔ اگر انسان مشکلات میں کوئی قابل

طمینان پناہ گاہ نہ رکھتا ہوتو پھر وہ کس طرح اپنی زندگی آگے بڑھا سکتا ہے؟ اور اگر مشکلات کے حل کے لئے قادر اور مہربان سے پناہ نہ لیں تو پھر وہ کس سے اور کس جگہ پناہ لے گا؟

دعا ایک عبادت بلکہ بہترین عبادت ہے، اس لئے کہ عبادت حد درجہ عاجزی اور اظہار بندگی کا نام ہے، اور یہی معنی دعا میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن واحادیث میں بھی دعا عبادت کے عنوان سے متعارف ہے

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: تمہارے پروردگار نے کہا: تم مجھے پکارو تاکہ جواب دوں، جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں ہم انہیں جلد ہی ذلت کے ساتھ جہنم میں جھونک دیں گے۔[۱]

مذکورہ آیت میں دعا کا ترک کرنا عبادت سے منھ موڑنے کے مثل ہے۔

حنان بن سدیر نے اپنے باپ سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا: میں نے امام محمد باقرؑ سے عرض کیا: بہترین عبادت کیا ہے؟ جواب دیا: خدا سے طلب کرنا سب سے بہتر ہے۔ اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز یہ ہے کہ لوگ اس کی عبادت سے تکبّر کریں اور اس سے کوئی سوال نہ کریں۔[۲]

سیف فرماتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: دعا کرو، اس لئے کہ کوئی چیز اس سے بہتر خدا سے نزدیک کرنے والی نہیں ہے۔ جزئی

---

[۱] سورہ غافر، آیت: ۶۰ [۲] کافی، ج ۲ ص ۴۶۶

امور میں بھی خدا سے پناہ لو اس لئے کہ معمولی امور بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں جس طرح عظیم اموراس کے ہاتھ میں ہیں۔[۱]

حماد کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: دعا کرو اور یہ نہ کہو کہ کام پورا ہو گیا مطلب حل ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ دعا عبادت ہے۔ خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے: (اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ) نیز فرماتا ہے: (اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ)[۲]

لہٰذا دعا ایک عبادت ہے اگر قربت کے قصد سے بجالائی جائے تو خدا سے تقرب اور اخروی جزا کا مالک ہوتا ہے۔ بندہ ہمیشہ اور ہر جگہ خداوند قادر اور مہربان کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرے اور اپنی حاجات اس سے طلب کرے خواہ دعا کسی زبان اور الفاظ میں ہو اور کیا اچھا ہو گا اگر پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ سے منقول دعاؤں سے استفادہ کریں۔ اس لئے کہ وہ لوگ دعا کی زبان اور واقعی ضرورتوں سے بہتر آگاہ ہیں۔

ایک سوال اور جواب

باوجودیکہ خداوند عالم نے قرآن میں بندوں کی دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے پھر کیوں بہت سارے مواقع پر دعائیں قبول نہیں کرتا؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: جب میرے بندہ تم سے سوال کریں، اس سے

---

[۱] کافی، ج ۲ ص ۴۶۷ [۲] کافی، ج ۲ ص ۴۶۷

کہو: میں قریب ہوں اور جو مجھے پکارتا ہے اس کی دعا قبول کرتا ہوں لہذا میری آواز پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ ہدایت یافتہ ہوں۔[۱]

جواب دیا جائے گا: خداوند عالم نے اس مذکورہ آیت میں قبولیت کو ''اِذَا دَعَانِ'' سے مشروط کیا ہے۔ یعنی صرف مجھے پکارو۔ لہذا بہت اہم نکتہ ہے۔ آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے جب بندہ دل کی گہرائی سے خدا کو پکارتا ہے اور اس کے علاوہ سے امید نہیں رکھتا۔ لہذا ہمارا خدا کے علاوہ سے قطع تعلق کرنا اور خدا سے سوال کرنا قبولیت دعا کی ایک شرط ہے۔ جہاں یہ مذکورہ شرط پائی جائے گی وہیں قبولیت بھی ہوگی لیکن اکثر دعائیں ایسی نہیں ہیں بلکہ الفاظ اور عبادت کی صورت میں ذہنی مفاہیم کے ہمراہ ہوتی ہیں لیکن باطنی طور پر طبعی اسباب کے تحت زیادہ تر دل بستہ ہوتا ہے۔ چنانچہ واقعی دعا کا تحقق نہیں ہوا لہذا اس کے ہمراہ قبولیت بھی نہیں ہے۔ سچ ہے کہ اس نے خدا کو نہیں پکارا ہے کہ نجات کی امید ہو۔

بعض احادیث سے بھی اسی بات کا استفادہ ہوتا ہے:

سلیمان بن عمر کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: خدا بندہ کی ان دعاؤں کو جو بغیر توجہ اور ظاہری اعتبار سے خدا کو پکارتا ہے وہ قبول نہیں ہوتیں۔ جب خدا کو پکارتے ہو تو توجہ رکھو کہ دل بھی اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو اور یقین کرو کہ دعا پوری ہوگی۔[۲]

---

[۱] سورہ بقرہ، آیت: ۱۸۶ [۲] کافی، ج ۲ ص ۴۷۳

امیر المومنینؑ نے فرمایا: خداوند عالم اس دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے نکلتی ہے۔[۱]

حضرت امام موسیٰؑ بن جعفرؑ نے فرمایا: اصحاب کی ایک جماعت نے حضرت صادقؑ سے عرض کیا: کیوں ہماری دعائیں پوری نہیں ہوتیں؟ جواب دیا: چونکہ ایسے کو پکارتے ہو جسے پہچانتے نہیں۔[۲]

موسیٰ بن جعفرؑ نے اپنے والد ماجد جعفر بن محمدؑ انھوں نے اپنے آباء واجداد سے، انھوں نے حضرت علیؑ اور حضرت رسولؐ سے نقل کیا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: اگر کوئی بندہ میرے علاوہ کسی اور سے تعلق رکھتا ہے تو میں اس کے لئے زمین وآسمان کے اسباب ختم کر دیتا ہوں لہٰذا اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں نہیں دوں گا میرے علاوہ کو پکارے تو قبول نہیں کروں گا، لیکن جو بندہ مجھ سے توسل کرے نہ میرے بندوں سے تو زمین وآسمان اس کے رزق کی ضمانت لیتے ہیں، لہٰذا اگر مجھے پکارے یقیناً پورا کرتا ہوں، اور اگر کچھ طلب کرے تو دیتا بھی ہوں اور اگر مغفرت کا طالب ہو تو بخش دیتا ہوں۔[۳]

کبھی قبول نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ خداوند عالم اس کے زبانی چاہت کو مصالح واقعی کے مطابق نہیں سمجھتا لہٰذا اس کی زبانی چاہت پر واقعی مصلحتوں کو مقدم کرتا ہے۔ معلوم ہے کہ ہر عاقل انسان باطناً اپنی واقعی مصالح کا طالب ہے۔ لہٰذا

---

[۱] کافی، ج ۲ ص ۴۷۳ [۲] بحار، ج ۹۳ ص ۳۶۸ [۳] بحار، ج ۷۱ ص ۱۵۵

اگر کوئی چیز خدا سے چاہتا ہے تو اسی لئے کہ اس نے اسے اپنی مصلحتوں کے مطابق تصور کیا ہے، اس لئے کہ اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واقعی مصلحت نہیں ہے تو کبھی خدا سے درخواست نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں خدا اس کی ظاہری درخواست کو رد کر دیتا ہے اور واقعی مصلحتوں کو ترجیح دیتا ہے کبھی خداوند عالم بندوں کی خواہشات پر واقعی مصلحتوں کو مقدم کرتا اور ترجیح دیتا ہے۔ جس بندہ کو دوست رکھتا ہے اس کی دعا دیر میں قبول کرتا ہے تاکہ ہمیشہ دعا اور راز و نیاز کرتا رہے اور اس کے ذریعہ آخرت کی گراں قیمت جزا کا مستحق بنے۔

احادیث میں بھی ان علتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے:

اسحاق بن عمار نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: بندہ مومن خدا کو حاجت کے وقت پکارتا ہے، پھر خداوند عالم کہتا ہے: میرے بندے کی حاجت روک دو۔ اس لئے کہ اس کی آواز سننا اور دعاؤں کا سننا مجھے پسند ہے۔ پھر خداوند عالم قیامت کے دن کہے گا: میرے بندہ! تم نے مجھے پکارا لیکن میں نے تمہاری دعا تاخیر سے قبول کی، لیکن تمہارا یہ ثواب ہے پھر تم نے مجھے پکارا تو تاخیر سے جواب دیا تاکہ فلاں فلاں چیز جزا بن سکے ایسے موقع پر بندہ آرزو کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہیں ہوتی تو آخرت میں بہترین جزا کا مستحق ہوتا۔[۱]

لہٰذا کوئی دعا بے اثر نہیں ہے۔ اور بندوں کو یہ نہیں چاہئے کہ اس اہم

---

[۱] کافی، ج ۲ ص ۴۹۰

عبادت سے غافل ہو جائیں۔

دوسرا سوال اور جواب

ممکن ہے کہ کوئی کہے دعا بے فائدہ کام ہے۔ اس لئے کہ اگر بندہ خدا سے کچھ چاہتا ہے تو یا مقدرات الٰہی ہے جس کے طبیعی اسباب فراہم ہو چکے ہیں، تو ایسا بغیر دعا کے بھی ہو سکتا ہے۔ اور دعا بے اثر ہے۔ یا مقدرات الٰہی کا جز نہیں ہے اور اس کے اسباب فراہم نہیں ہوئے ہیں ایسی صورت میں دعا بے اثر ہے۔ اس لئے کہ خدا ہر چیز طبعی اسباب کے تحت وجود میں لاتا ہے۔ (اَبَی اللّٰہُ اَنْ یَجْرِیَ الْاُمُوْرُ اِلَّا بِاَسْبَابِھَا) بہر حال دعا ایک بے فائدہ کام ہے۔

جواب: جواب دیا جائے گا کہ اسلام بھی طبیعی اسباب کی تاثیر کا منکر اور معلول و علت تامہ کی ضرورت کا منکر نہیں ہے، لیکن دعا کے باب میں کہا جا سکتا ہے کہ: کسی چیز کی علتوں کا ایک جز ہے اور اس کے تحقق سے علت تامہ کا وجود ہو جائے گا کہ اس کے بعد معلول کا وجود ناگزیر ہوگا۔ لہٰذا اگر دعا کرنے والے کی دعا پوری ہوتی ہے تو علت تامہ یقیناً موجود ہے بغیر اس کے تحقق ناممکن ہے لہٰذا دعا بھی انھیں اسباب کا ایک جز ہے لہٰذا اگر دعا پوری نہ ہو تو ایسا معلول بھی ثابت نہیں ہوگا۔ لہٰذا دعا کے ذریعہ قضا و قدر کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

احادیث میں بھی ان مطالب کی جانب اشارہ ہوا ہے۔ مثال کے طور پر:

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: دعا کے ذریعہ آسمانی قضا اور اس کا

استحکام ختم ہو جاتا ہے۔[۱]

عمر بن یزید فرماتے ہیں: حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: دعا مقدر اور غیر مقدر دونوں ہی کو رد کر دیتی ہے راوی نے کہا: مقدر تو سمجھ میں آ گیا، لیکن غیر مقدر سے کیا مراد ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ جو موجود نہ ہو۔[۲]

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: حضرت امام جعفر صادقؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: دعا مستحکم قضاء الٰہی کو رد کر دیتی ہے زیادہ کرو اس لئے کہ دعا رحمت کی کنجی اور خواہشات تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ جو کچھ خدا کے پاس ہے اس تک صرف دعا کے ذریعہ رسائی ہو سکتی ہے۔ جس دروازہ کو زیادہ دیر تک کھٹکٹایا جائے تو در کے کھلنے کی امید ہو سکتی ہے۔[۳]

ابو ولاّد نے نقل کیا کہ حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ نے فرمایا: تم پر دعا کرنا واجب ہے، اس لئے کہ دعا صرف خدا سے ہو سکتی ہے اور اسی سے طلب کیا جا سکتا ہے، دعا مقدر شدہ بلاؤں کو رد کر دیتی ہے لٰہذا جب خدا سے دعا کی جاتی ہے تو اس سے بلا دور کر دیتا ہے۔[۴]

---

[۱] کافی، ج۲ص۴۶۹ [۲] کافی، ج۲ص۴۶۹

[۳] کافی، ج۲ص۴۷۰ [۴] کافی، ج۲ص۴۷۰

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ لغت میں دعا کے کیا معنی ہیں؟

۲۔ جب انسان دعا کرتا ہے تو خدا کو کیسا محسوس کرتا ہے؟

۳۔ کیوں انسان خدا سے سوال کرتا ہے؟

۴۔ کیوں دعا ایک عبادت ہے؟

۵۔ دعا کی قبولیت کی شرط کیا ہے؟

۶۔ کیوں بعض دعائیں پوری نہیں ہوتیں؟

۷۔ جب خدا بندوں کو دوست رکھتا ہے تو کیا کرتا ہے؟

۸۔ جب خدا دعا کو واقعی مصلحت کے مطابق نہیں سمجھتا تو کیا کرتا ہے؟

۹۔ اگر کوئی کہے کہ دعا بے فائدہ ہے تو کیسے جواب دیں گے؟

۱۰۔ کیا دعا کرنے والے کی مراد بغیر طبیعی اسباب و علل کے پوری ہوتی ہے؟

۱۱۔ دعا، دعا کرنے والے کی مطلوب میں کیا اثر رکھتی ہے؟

سبق ۹

جہاد ودفاع

جہاد لغت میں کوشش اور مقصد تک پہنچنے میں مشقت برداشت کرنے کو کہتے ہیں۔اور اصطلاح میں اسلام کی وسعت اور کلمۂ توحید کی بلندی نیز اسلام اور مسلمین کے دفاع کی خاطر جنگ میں حد درجہ کوشش کرنے کو کہتے ہیں۔

جہاد اسلام کا ایک اہم وظیفہ اور حکم ہے اور خاص منزلت ومقام کا حامل ہے۔اس لئے کہ اسلام کی عظمت وشوکت، وسعت اور پائداری، استقلال اور آزادی نیز شریعت کے قوانین کا اجرا اسی فریضہ پر موقوف ہے۔اسی لئے اس پر عمل کے لئے قرآن واحادیث میں شدت سے تاکید کی گئی ہے۔مثال کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں یوں ہی چلے جاؤ گے جب کہ خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو بھی نہیں جانا ہے۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: اے پیغمبرؐ! کافروں اور منافقوں سے جنگ کرو اور ان پر سخت روّیہ اپناؤ اُن کا ٹھکانا جہنم اور انجام برا ہے۔[۲]

نیز ارشاد ہوتا ہے: تم پر جنگ واجب ہے درآنحالیکہ تمہارے لئے سخت

---

[۱] سورۂ آل عمران، آیت:۱۴۲ [۲] سورہ توبہ، آیت ۷۳

دشوار اور ناپسند ہے۔ بسا اوقات بعض چیزوں کو ناپسند کرتے ہو ممکن ہے کہ اس میں خیر اور بھلائی ہو اور ممکن ہے کہ کچھ چیزیں تمہیں پسند ہوں لیکن وہ تمہارے لئے بری ہوں خدا تو جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: جو مومنین جنگ کی مشقتیں برداشت کئے بغیر جنگ پر نہیں جاتے اور وہ مومنین جو اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں دونوں برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ اپنی جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں خدا ان کو جنگ پر نہ جانے والے افراد پر کئی گنا برتری عطا کرتا ہے خدا نے سب ہی سے نیک وعدہ کیا ہے لیکن مجاہدین کو قاعدین پر یعنی جنگ سے باز رہنے والوں کو کئی گنا برتری دی ہے۔[۲]

نیز ارشاد ہوتا ہے: خدا ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں، صف بہ صف سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند جنگ کرتے ہیں۔[۳]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: جہاد جنت کا ایک دروازہ ہے جس کو اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھلا رکھا ہے اور ان کو بہشت کے لئے آمادہ کیا ہے یہ اللہ کا ان پر کرم اور خاص نعمت ہے جہاد تقویٰ کا لباس، اللہ کی محفوظ زرہ اور محکم سپر ہے لہٰذا جو جہاد سے روگرداں ہو جائے گا تو خداوند عالم اسے لباس ذلت اور رسوائی سے ملبوس کرے گا، اور اس پر مصیبت نازل ہو جائے گی اور خدا کی خوشنودی سے دور ہو جائے گا، نیز

---

[۱] سورہ بقرہ، آیت: ۲۱۶ [۲] سورہ نساء، آیت: ۹۵ [۳] سورہ صف، آیت: ۴

ذلت و رسوائی میں گرفتار ہو جائے گا اور اس کے دل پر مُہر لگا دے گا۔ اور جہاد کی سی نعمت کے زائل کر دینے پر حق کی دولت اس سے سلب ہو جائے گی اور زحمت و رسوائی میں مبتلا ہو جائے گا۔ نیز انصاف اور عدالت سے محروم ہو جائے گا۔[۱]

رسول خداؐ نے فرمایا: بہشت میں ایک دروازہ "باب المجاھدین" کے نام سے ہے درآنحالیکہ مجاھدین شمشیر بکف ہوں گے اور لوگ میدان محشر میں کھڑے، ملائکہ خوش آمدید اور استقبال کر رہے ہوں گے، بہشت کی طرف جا رہے ہوں گے، اور دروازے ان کے لئے کھل جائیں گے۔ اس وقت فرمایا: جو کوئی جہاد سے کترائے گا خداوند عالم اسے ذلت اور رسوائی کے لباس میں ملبوس کر دے گا، ان کا دین کم ہو جائے گا، اس لئے کہ خداوند عالم میری امت کو گھوڑوں کی نعل اور نیزوں کے مرکز سے بے نیاز کر دے گا۔[۲]

امیر المومنینؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے جہاد واجب کیا ہے اور اس کی عظمت بیان کی ہے، اس کو کامیابی اور اپنی حمایت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ قسم خدا کی لوگوں کی دنیوی اور دینی اصلاح سوائے جہاد کے نہیں ہو گی۔[۳]

جہاد کی دو قسم ہے:

۱- ابتدائی ۲- دفاعی

ابتدائی جہاد:

رسولؐ، خدا کی جانب سے مبعوث ہوئے تا کہ کفر و شرک سے جنگ کریں

---

[۱] کافی، ج ۵ ص ۴ [۲] کافی، ج ۵ ص ۲ [۳] کافی، ج ۵ ص ۸

اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ نیز ظلم وستم اور ناانصافیوں سے جنگ کریں اور محرومین کو مغرور کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائیں۔ رسول خداؐ نے ابتدا میں نہایت نرم اور پند ونصیحت کے انداز میں اور دلیل سے لوگوں کو اسلام وتوحید پرستی، کفر اور بت پرستی کے ترک، انصاف وعدالت کی رعایت اور ناانصافی کے ترک کی دعوت دی۔ اور کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی تھی تو آخری کامیابی تک اس روش کو جاری وساری رکھتے تھے۔ کفر وشرک کے بانی، مغرور، تسلط مزاج افراد، شیاطین اور ستمگاروں نے اس دعوت سے خطرہ محسوس کیا اور سازش اور کسی مانع کی تلاش میں لگ گئے اور اسلام کی وسعت اور نفوذ کا سدّباب کرنے لگے ایسے حالات میں پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے پاس اپنے مقصد کی بلندی کے لئے جنگ وجہاد کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ جنگ کی تاکہ کفر وشرک کے بانی، ستمگاروں کو خاموش کردیں۔ اوران کے بہانوں کا سدّباب کریں اور ماحول کو تبلیغ اور اسلام کی وسعت کے لئے آمادہ کردیں۔

اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے: اسلام کا ابتدائی جہاد بھی ایک قسم کا دفاع ہی تھا۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اگر وہ تمہارے دین سے پھر گئے ہیں اور عہد وپیمان توڑ چکے ہیں اور تمہارے دین پر حملہ آور ہیں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو اس لئے کہ وہ اپنے وعدہ کے پکے نہیں ہیں، شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ کیا تم ان پیمان شکنوں سے جو رسولؐ کو وطن سے نکالنے پر تلے ہیں اور تمہارے خلاف دشمنی پر آمادہ ہیں جنگ نہیں کرو گے؟ کیا تم ان لوگوں سے خوف کھا رہے ہو

درآنحالیکہ اگر مومن ہو تو بہتر ہے کہ خدا سے خوف کھاؤ۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: ان لوگوں سے جنگ کرو تا کہ فتنہ برپا نہ ہو، اور خدا کا صرف دین رہ جائے، لہٰذا اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں تو پھر سوائے ستمگاروں کے کسی اور پر زیادتی جائز نہیں ہے۔[۲]

دفاعی جہاد:

دفاعی جہاد بھی ایک قسم کا جہاد ہے جو اسلام اور مسلمین نیز اسلامی ممالک کے دفاع کے لئے کیا جاتا ہے۔ یہ جہاد چند مقام پر واجب ہو جاتا ہے:

۱۔ جب اسلام دشمن عناصر اسلامی حکومت کے خاتمہ کے لئے کسی ملک پر حملہ کریں یا اسی غرض سے خطرناک سازشیں رچنے لگیں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں ان سے راہ خدا میں جہاد کرو لیکن زیادتی نہ کرو اس لئے کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔[۳]

۲۔ جب اسلام دشمن عناصر شوق حکمرانی کے ارادہ سے اور اسلامی سرزمین پر دخل کے قصد سے کسی ایک اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: جن لوگوں کے لئے ظلم وستم کے سبب جنگ

---

[۱] سورہ توبہ، آیت: ۱۲-۱۳ [۲] سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۳ [۳] سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۰

ناگزیر ہوگئی ہے انھیں اجازت ہے کہ ''وہ اپنا دفاع کریں'' بیشک خدا ان کا ناصر و مدد گار ہے یعنی جو لوگ ناحق اپنے علاقے سے نکالے گئے ہیں، مگر یہ کہ وہ کہیں میرا خدا واحد اور یکتا ہے۔[۱]

۳۔ جب ایک اسلامی ملک کسی دوسرے اسلامی ملک کی زیادتی کا نشانہ بنے صرف یہی نہیں کہ مورد تجاوز ملک دفاع کا حق رکھتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں کا وظیفہ ہے کہ اس کی حمایت کریں اور ان دونوں کے مابین صلح کرائیں اب اگر زیادتی کرنے والا ملک باز نہ آئے تو اس سے جنگ کریں۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اگر مسلمانوں کے دو گروہ کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو صلح کراؤ اور اگر ان دو میں سے ایک ظلم کرے تو پھر زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو تا کہ حکم خداوندی کے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ لہٰذا اگر قبول کرلیں تو عدالت کی رعایت کرتے ہوئے ان میں صلح کراؤ۔ اس لئے کہ خدا انصاف پسندوں کو دوست رکھتا ہے۔[۲]

۴۔ جہاں اموال عمومی اور تمام اسلامی ممالک کی دولت پر دشمنوں کے قبضے کا خوف ہو۔

۵۔ اگر مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور آبرو خطرہ میں پڑ جائے۔

۶۔ جہاں خدا کی عبادت، مساجد، عبادت گاہوں پر دشمن کے حملہ

---

[۱] سورہ حج، آیت:۳۹ [۲] سورہ حجرات، آیت:۹

کا خوف ہو۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اگر خداوند عالم بعض کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو گرجا گھر، مساجد ویران ہو چکے ہوتے۔ خدا کی جو مدد کرتا ہے اس کی وہ بھی مدد کرتا ہے خدا کامیاب اور قوی ہے۔[۱]

۷۔ محرومین و مستضعفین کے حقوق کا دفاع جو مغرور اور ظالموں کے ظلم کا نشانہ بنے ہیں اور اپنے حق کا دفاع نہیں کر سکتے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: کیوں خدا کی راہ میں کمزور و ناتواں مرد، عورت اور بچوں کے لئے جو یہ کہتے ہیں: خدایا! ہمیں اس گاؤں والوں کے ظلم سے نجات دے اور اپنے پاس سے ناصر و مددگار قرار دے۔ جنگ نہیں کرتے؟[۲]

اخلاق اور اسلامی تہذیب نیز ان کے اپنے درمیان رائج نہ ہونے کے لئے دفاع کرنا مسلمانوں کا فطری حق ہے کہ دین، عزت اسلامی سرزمینوں، جان اور ناموس کے لئے دفاع کریں۔ نہ یہ کہ وہ صرف حق رکھتے ہیں بلکہ اسلام نے ایسی ذمہ داری انہیں دی ہے کہ اگر اس کی انجام دہی میں کوتاہی کریں تو دنیا میں ذلت و رسوائی میں گرفتار ہوں گے اور آخرت میں سزا کے مستحق۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: اگر تمہارے آباء و اجداد، اولاد، عورتوں، بھائیوں، رشتہ داروں، ذخیرہ شدہ اموال اور تجارت کے مندا پڑ جانے کا جو تمہیں

---

[۱] سورہ حج، آیت: ۴۰ [۲] سورہ نساء، آیت: ۷۵

خوف ہے، مکانات جس سے تم خوش ہوتے ہو تمہارے نزدیک اللہ، رسولؐ، راہ خدا میں جہاد سے زیادہ محبوب ہے خدا کے حکم کا انتظار کرو، خدا فاسقوں کی ھدایت نہیں کرتا۔[۱]

خدا کی راہ میں جہاد اور دفاع اسلام کا اہم وظیفہ اور حکم ہے مسلمانوں کی عظمت اور آزادی اس سے وابستہ ہے۔ جب تک مسلمانوں نے اس وظیفہ پر عمل کیا عظمت و بزرگی کے مالک رہے اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا لیکن جب سے جہاد، دفاع، راہ خدا میں شہادت کا جذبہ ختم ہو گیا، دھیرے دھیرے اپنی شان و شوکت، عظمت و اقتدار کھو بیٹھے اور مغرور دشمن ان پر غالب آ گئے۔ اور اپنے خریدے ہوئے غلاموں کے ذریعہ تمام اسلامی ممالک پر قابض ہو گئے۔ اسلامی ممالک کی افسوس ناک صورتِ حال اس فریضہ کے ترک کر دینے کی وجہ سے ہے اس مشکل کے حل کے لئے جہاد، دفاع اور شہادت کے رواج کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱- جہاد کے اصطلاحی معنی کیا ہیں؟

۲- اسلام میں جہاد کا کیا مقام ہے؟

۳- ابتدائی جہاد کس وقت اور کس مقصد کے لئے انجام دیا جاتا ہے؟

---

[۱] سورہ توبہ، آیت: ۲۴

۴۔ دفاعی جہاد کا موقع کیا ہے؟

۵۔ کون سا عمل مسلمانوں کی عظمت وقدرت کا باعث ہوا؟

۶۔ اس وقت اسلامی ممالک کی افسوس ناک صورتِ حال کس بات کا نتیجہ ہے؟

۷۔ عالم اسلام کی مشکلات کا حل کیا ہے؟

سبق ۱۰

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

معروف اچھے کام اور منکر برے کام کے معنی میں ہے۔امر بہ معروف یعنی اچھے کام کا حکم دینا اور نہی عن المنکر یعنی برے کام سے روکنا۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔تمام واجبات حتّٰی راہ خدا میں جہاد،محرمات کا ترک ہونا بھی اسی فریضہ کی ادائیگی پر موقوف ہے۔اسی لئے آیات اور احادیث میں شدت سے تاکید آئی ہے۔مثال کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہئے جو تمہیں نیک کاموں کی دعوت دے،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور ایسے لوگ کامیاب ہیں۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: (لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا) میرے بیٹے نماز برپا کرو،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دو،اس راہ میں تم پر جو مصیبت آئے اسے برداشت کرو کہ یہ کام سب سے اہم ہے۔[۲]

نیز ارشاد ہوتا ہے: تم لوگوں کے درمیان بہترین امت ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔[۳]

---

[۱] سورہ آل عمران،آیت:۱۰۴ [۲] سورہ لقمان،آیت:۱۷ [۳] سورہ آل عمران،آیت:۱۱۰

محمد بن عمر کہتے ہیں: میں نے امام علی رضاؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: تمہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے ورنہ تم پر بُرے اور شریر افراد مسلط ہو جائیں گے، پھر اس وقت نیکو کار افراد دعا کریں گے تو دعا قبول نہیں ہوگی۔[۱]

محمد بن عرفہ کہتے ہیں: امام رضاؑ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: رسول خداؐ فرماتے تھے: جس وقت میری امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ایک دوسرے کے سر ڈالیں اور ترک کر دیں گے تو دردناک حوادث کے واقع ہونے کا انتظار کریں۔[۲]

حذیفہ نے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے: تم پر واجب ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو ورنہ خدا تم پر دردناک عذاب نازل کرے گا تو اس وقت خدا کو پکارو گے لیکن دعا قبول نہیں ہوگی۔[۳]

ابو سعید خدری پیغمبرؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: سب سے بڑا جہاد حق بولنا ہے جو ستمگر بادشاہ کے سامنے ہو۔[۴]

جابر نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: آخر زمانہ میں ریا کار گروہ ظاہر ہوگا جو قرأت قرآن، زہد اور عبادت میں مشغول ہوگا لیکن وہ جاہل

---

[۱] کافی، ج۵ ص۵۶ [۲] کافی، ج۵ ص۵۹

[۳] سنن ترمذی، ج۴ ص۴۶۸ [۴] سنن ترمذی، ج۴ ص۴۷۱

اور بے وقوف ہوگا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب نہیں سمجھتا مگر یہ کہ ضرر سے امان کا امکان ہو۔ اس کے ترک پر بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ علماء کی لغزشوں اور برے کردار کی پیروی کریں گے۔ نماز، روزہ اور دوسرے اعمال اگر جان و مال کے لئے خطرہ نہ بنیں گے تو اس کو بجالائیں گے۔ اگر ان کی نماز و روزہ ان کے اموال ونفوس کے لئے نقصان دہ ہوں گے تو وہ چھوڑ دیں گے جس طرح انھوں نے بڑے سے بڑے، اہم سے اہم واجبات کو ترک کیا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک عظیم واجب ہے جس کے ذریعہ تمام واجبات انجام دیئے جاتے ہیں۔ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کر دیں گے تو خدا کا غضب اُن پر نازل ہو جائے گا لہٰذا نیکو کار بدکاروں اور بچے بزرگوں کے گھر میں ہلاک ہو جائیں گے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر انبیاء اور نیک لوگوں کی راہ ہے۔ عظیم فریضہ ہے جس کے ذریعہ تمام فرائض انجام پاتے ہیں، راستے پُر امن اور کمائیاں حلال ہوں گی۔ حقوق ان کے اہل کو لوٹا دیئے جائیں گے اور زمین آباد ہوگی۔ دشمنوں سے انتقام لیا جائے گا اور سارے کام درست ہو جائیں گے۔

لہٰذا منکر کو دل سے ناپسند کرو اور زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور اس کے ذریعہ ان کی پیشانی جھکا دو، راہ خدا میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرو۔ لہٰذا اگر نصیحت قبول کی اور حق کی طرف لوٹ آئے تو ان سے کوئی مطلب نہ رکھو۔ اس لئے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کے لئے ہے کہ جو لوگوں پر ظلم

وستم کرتے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ یہ لوگ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لہٰذا ان سے جہاد کرو اور دل سے نفرت کرو۔ اس سے تمہاری غرض خدا کی خوشنودی ہونا چاہئے نہ لوگوں پر تسلط اور اموال کا حصول اور دوسروں پر ظلم وستم، اپنے جہاد کو جاری رکھو تا کہ وہ سر جھکا دیں اور خدا کی اطاعت کریں۔[۱]

اس طرح کی آیات اور احادیث کے نمونے کثرت سے ہیں جن سے استفادہ ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کے اہم احکام اور وظیفوں میں سے ہے جس کے انجام دینے کی جانب اسلام بھرپور متوجہ ہے۔ قرآن مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند بنو اور یہ موضوع امت اسلامیہ کا ایک اہم امتیاز ہے۔

مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ ایک دوسرے کے محافظ ہوں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر انجام دیں۔ اگر یہ امر بالمعروف سماجی تحفظ ایک دوسرے کے لئے صحیح ثابت ہو تو اسلامی معاشرہ ظلم وستم، اخلاقی برائیوں کی آلودگیوں سے پاک وصاف ہو جائے گا، اور ہدایت وکمال کی سمت گامزن ہو جائے گا۔

اسلام کسی ایک انسان کے اچھا ہونے اور برائیوں سے پرہیز کر لینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اچھا آدمی اپنے دیگر برادران ایمانی کو بھی نیک اعمال کے بجا لانے اور برے اعمال کے ترک کرنے پر آمادہ کر دے۔ اسی طرح سے ان پر ایک قسم کی ولایت رکھنا ہے اور امر و نہی کرتا ہے یہ ایک اہم فریضہ ہے۔

---

[۱] کافی، ج۵ ص ۵۵

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: **بعض مومن مرد اور عورت ایک دوسرے کی بہ نسبت ولایت رکھتے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہیں۔** [۱]

اس لحاظ سے امت اسلامیہ کی ہر فرد خواہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو اور حالات جو بھی ہوں ایک امت تشکیل دیتی ہے کہ ان کی ہر فرد ایک دوسرے کی بہ نسبت مشترک ذمہ داریوں کے حامل ہیں۔ ہر ایک کا فریضہ ہے کہ ایمان کو قوت اور فرض شناسی، اسلامی اقدار کی ترویج، فردی وسماجی کام کرنا، دینی تہذیب کا ارتقاء، اخلاقی وسماجی برائیوں کا دوسروں پر زیادتی ہونے سے روکنا اور اس کے لئے بھرپور کوشش کرنا چاہئے۔ نیز سب سے بہتر اور نیک امت دنیا میں موجود ہو تاکہ دیگر امتوں کے لئے نمونہ ہو اسلام نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں کو حکم دیا کہ امت واحدہ کی تشکیل دیں اور دنیا کے دیگر لوگوں کو نیک کاموں کی دعوت دیں اور گناہ کرنے سے باز رکھیں۔ شرک اور کفر، سے جنگ کرکے لوگوں کو توحید اور اجتماعی عدالت کی رعایت کا حکم دیں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: **خدا نے پیغمبرؐ کو ھدایت اور دین حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے تاکہ دین اسلام کو سارے ادیان پر غلبہ دے خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔** [۲]

نیز ارشاد ہوتا ہے: **اگر ان لوگوں کو زمین پر قدرت عطا کردیں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کریں گے، تمام امور کی**

---

[۱] سورہ توبہ، آیت: ۷۱ [۲] سورہ توبہ، آیت: ۳۳

بازگشت خدا کی جانب ہے۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا تاکہ لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔[۲]

اس اعتبار سے دنیا والوں کو ھدایت کرنا، خدا پرستی کی دعوت دینا، اسلام کی ترقی اور وسعت کی کوشش کرنا، شرک و کفر، ظلم و ستم، اخلاقی اور سماجی برائیوں سے جنگ کرنا بھی امت اسلامیہ کے ذمہ ہے۔

یہ ایک ایسی بڑی اور مشکل ذمہ داری ہے جس کی انجام دہی مکمل آمادگی اور وسیع پیمانہ پر اسباب کی فراہمی پر منحصر ہے کہ مختصر طور پر ان کی طرف اشارہ ہوگا:

۱- نیکیوں اور برائیوں کی مکمل پہچان۔

۲- تمام اقوام کے سیاسی، اقتصادی، اجتماعی، دینی اور اخلاقی حالات سے کامل آگاہی۔

۳- ادیان و مذاھب اور ان کے آداب و رسوم سے مکمل آگاہی۔

۴- قومی مبلغین کی فراہمی اور ان کا راہ تبلیغ و ھدایت میں مختلف زبانوں کے ساتھ استعمال کرنا۔

۵- مختلف زبانوں میں علمی اور دینی اخبار اور رسالوں کی اشاعت۔

---

[۱] سورہ حج، آیت: ۴۱ [۲] سورہ بقرہ، آیت: ۱۴۳

۶۔ مناسب اور ضروری کتابوں کی تالیف اور ترجمہ اور عالمی سطح پر اسے نشر کرنا۔

۷۔ دانشور، اسلام شناس مبلغین کی تربیت جو مختلف زبانوں سے آشنائی رکھتے ہوں نیز انہیں مختلف ممالک میں بھیجنا۔

۸۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی تہذیب کے نشر کا اعلیٰ پیمانہ پر مرکز بنانا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مراتب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چند مرحلوں اور چند صورتوں میں انجام دیا جاتا ہے:

پہلا مرحلہ: بُرے فعل کا دل سے انکار اور ناپسند کرنا، جب مسلمان انسان کسی شخص کو دیکھے کہ وہ برا اور خلاف شرع فعل انجام دے رہا ہے تو اسے چاہئے کہ قلبی اعتبار سے ناراض ہو اور اپنی قلبی ناراضگی کا کسی صورت سے اظہار کرے۔ برائی کرنے والا اگر ایک یا چند آدمیوں سے ایسے ردّ عمل کا مشاہدہ کرے گا تو امید ہے کہ وہ اپنے فعل سے باز آجائے اور دیگر مراحل کی ضرورت نہ ہو۔

دوسرا مرحلہ: امر و نہی زبان کے ذریعہ، اس مرحلہ میں ایک مسلمان دیگر مسلمان کو حکم دے گا کہ نیک عمل انجام دو، یا کسی برے امر کے انجام دینے سے روکے گا۔ یہ مرحلہ بھی چند مراتب کا حامل ہے: پہلے نصیحت آمیز زبان سے سمجھائے،

اگر موثر ثابت نہ ہوتو پھر بلند آواز سے کہے اس کے بعد پھر لعنت وملامت کرے، اس کے بعد بھی اگر باز نہ آئے تو پھر ڈانٹ پھٹکار اور دھمکی کے ذریعہ باز رہنے کی کوشش کرے۔

تیسرا مرحلہ: قدرت وطاقت کا استعمال کرے، یہ مرحلہ بھی چند مراحل پر مشتمل ہے: ہاتھ کے ذریعہ برے عمل سے روکے، اگر موثر نہ ہوتو پھر مار کے ذریعہ کہ اس کے بھی مراحل ہیں: ضعیف، متوسط، شدید۔ البتہ شرط یہ ہے کہ اختلاف پیدا نہ ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مقصد نیکی کا رواج اور برائی کا خاتمہ ہے، اور یہ آسان اور موٴثر طریقے سے انجام پا سکے، بہتر ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے شدید اور سخت عذابوں کی یاددہانی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، جیسے شرعی حدود کا اجرا، قصاص اور تعزیرات، لیکن ان سے استفادہ اس وقت ممکن ہے جب اسلامی حکومت اور عدالت اسلامیہ قائم ہو حکومتی فوج اس کا انتظام اپنے ذمہ لئے ہو۔[۱]

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کسے کہتے ہیں؟

---

[۱] مزید معلومات کے لئے فقہی اور حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بہ نسبت دوسرے احکام کے کیا اثر رکھتا ہے؟

۳۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے کی بہ نسبت کیا فریضہ ہے؟

۴۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سماج پر کیا اثر ڈالتا ہے؟

۵۔ مسلمانوں کی دیگر دنیا والوں کی بہ نسبت کیا ذمہ داری ہے؟

۶۔ اس عالمی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

۷۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مراتب ومراحل بیان کیجئے؟

۸۔ مذکورہ مراحل سے استفادہ کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

سبق ۱۱

دنیا میں مسلمانوں کے حالات

اور

ہماری ذمہ داریاں

باوجودیکہ مسلمانوں کی دنیا میں تعداد ایک ملین سے زیادہ ہے، اور دنیا کے حساس ترین علاقے میں زندگی گذارتے ہیں، طبیعی سرچشمہ اور انسانی طاقت کے لحاظ سے بے نیاز ہیں۔ اور علوم وفنون میں ایک اچھا تابناک ماضی رکھتے ہیں۔ صدیوں دنیا میں قوی انداز اور اپنی جاہ وچشم کے ساتھ حکومت کی ہے، فطری ہے کہ انھوں نے اپنی حیثیت دنیا میں محفوظ کی ہے، لیکن افسوس کہ یہ حالت نہیں ہے، بلکہ آہستہ آہستہ انھوں نے اپنی حیثیت گنوادی ہے اور افسوس ناک صورتحال ہے جس کے گواہ آپ بھی ہیں۔ مختصر طور پر ان افسوس ناک حالتوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

باوجودیکہ اسلام تمام مسلمانوں کو ایک امت شمار کرتا ہے چاہئے کہ سب ایک بڑے ملک کی صورت میں، یا فائدے کے لحاظ سے مشترک ممالک کی صورت میں زندگی بسر کریں لیکن افسوس ہے کہ جہل، قومی اور خاندانی تعصّبات، خود پسندی، فرقہ بندی اور دشمنوں کی سازشوں اور اختلاف سے چھوٹے اور بڑے ملک میں تقسیم ہوگئے ہیں جو اتحاد کے مالک نہیں ہیں۔

ان پراگندہ ممالک میں اسلام حاکم نہیں ہے بلکہ بکے ہوئے حکام ہیں جواپنے اپنے ملک کا پروگرام بڑے ممالک سے لیتے ہیں یعنی اسلام دشمن اور بے دین حکومتوں سے لائحہ اصول لیتے اوراس کی پیروی کرتے ہیں۔

کفرواستکبار کی مضبوط حکومتیں، مسلمان ممالک پر مسلط ہیں اوران کے تمام شعبوں کواپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔

حکام اور سربراہان مملکت کے انتخاب سیاسی، اقتصادی، علوم وصنعت، قانون گذاری اور جانوروں سے متعلق مہارت، ہنر، فوجی اور انتظامی تشکیل حتیٰ کہ دینی اور مذھبی امور میں بھی دخیل ہوتے ہیں۔اور سارے امور کواپنے سے متعلق کررکھا ہے۔

ان کے طبیعی سرچشمہ کو معمولی قیمت پر لے جاتے ہیں اوراس کے عوض غیرضروری جنس دیتے ہیں۔اوراسلامی ممالک کوایک من مانی بازار میں بدل دیا ہے۔

اسلامی ممالک کوایک دوسرے سے بدگمان کررکھا ہے اوران کے درمیان پھوٹ ڈالتے رہتے ہیں، اور کچھ مدت بعدایک دوسرے کولڑادیتے ہیں تا کہ اسلحہ کی خریداری ہو، اوران کی دائمی حیثیت کوقبول کریں پھراس وقت ان کا بہترین حامی بتاتے اورفوجی چھاؤنی کا بندوبست کرلیتے ہیں اور دونوں کے درمیان ایک مشترک دفاعی عہدوپیمان کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ اکثراسلامی ممالک اس میں مبتلا ہیں اور بلاواسطہ اور کھلم کھلا

- یا باواسطہ اور خفیہ طور پر کسی نہ کسی سرکش و کافر ملک کی حمایت میں زندگی گذارتے ہیں یعنی اسلام کے حقیقی دشمنوں کی حمایت میں بعض تو اس بات پر خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں، یا یہ کہ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔

دوسری طرف اسلامی ممالک آپس میں ایک دوسرے سے اجنبی اور بیگانہ ہوتے ہیں، ان کے درمیان دوستی اور آپسی تعاون کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے، مشکل کے وقت ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رکھتے اور ڈرتے رہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے اسلام کے دشمنوں پر اعتماد کرتے اور ان سے دوستی اور ہاتھ بٹانے کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔ بلکہ دشمنوں کی تحریک پر ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی ہو جاتے ہیں، جنگ کی راہ ہموار کر لیتے ہیں:

اکثر اسلامی ممالک کے سربراہان ان کے غلام اور بکے ہوئے ہوتے ہیں نہ صرف یہ کہ وہ اسلام اور مسلمین کے محافظ نہیں ہیں بلکہ اسلامی تحریک کی تمام قوتوں، بلکہ اصولی پابندیوں کو کچل ڈالتے ہیں۔ اس طرح سے کہ گویا کافر و مغرور اپنی حیوانیت اور بے رحمی کے ساتھ ان کے امور میں دخیل ہو کر حکومت کرتے ہیں۔

دشمنان اسلام کی ناپاک سازش اور اسلامی ممالک کی سستی اور بے توجہی کا نتیجہ تھا کہ فلسطین کی مقدس سرزمین، مسجد اقصیٰ اور مسلمان کا سب سے پہلا قبلہ گنہگار صیہونیوں کے قبضہ میں آگیا، چالیس سال سے زیادہ ہو گیا ہے کہ اس سرزمین کے

اصل باشندہ در بدر ہو رہے ہیں اور غاصب اسرائیل اُن پر حکومت کر رہا ہے اور کفر واستکبار کے بانیوں کی مدد سے جدید اسلحوں سے لیس ہو کر حکومت کر رہا ہے اور اُن کی عظیم چھاوٴنی بنی ہوئی ہے۔

اور نہ صرف پڑوسی مما لک بلکہ تمام اسلامی مما لک کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے اور مستکبرین عالم اپنی تمام تر قدرت اور وجود سے اس کا دفاع کر رہے ہیں کہ آپ خود ہی اس کے گواہ تھے اور ہیں۔

کفر واستکبار کے علمبرداروں کی اسلام سے دشمنی کا نمونہ باغی صربوں کے وحشیانہ حملہ ہیں جو بوسنیا کے بے دفاع اور مظلوم مسلمانوں پر ہو رہے ہیں اور ان کا قتل عام اور اس کے علاوہ بہت ساری سرکشی ہیں جو یورپ میں تمدن وحقوق بشر کی حفاظت کے نام پر کی جا رہی ہیں۔ کوئی معمولی سا ملک بھی اس کی روک تھام کے لئے دکھائی نہیں دیتا بلکہ علی الاعلان یا خفیہ طور پر ان کی حمایت ہی کرتے ہیں۔ صرف ایسا نہیں ہے کہ بیچارہ مسلمانوں کی مدد نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی مدد کرنے سے روکتے ہیں۔ لیکن ظالم صربوں کی خفیہ طور پر مدد کرتے ہیں۔

کیا تمدن اور حقوق بشر کے دفاع کے یہی معنی ہیں؟

اسلام و مسلمین کے خلاف کفر واستکبار کی دشمنی کا دوسرا نمونہ دین کے خلاف مستکبرینِ مشرق کا ظلم ہے یعنی اسلامی ملک افغانستان کے ساتھ کئی برسوں سے ہوتا چلا آرہا ہے سینکڑوں اور لاکھوں مسلمان قتل ہو گئے اور گھر ویران ہو گئے لیکن خوش قسمتی سے وہ غیرت مند اور جنگجو مسلمان مسلسل جہاد کے اثر سے آخر کار کامیاب

ہوئے، اور حملہ آور افراد کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ اور ایک اسلامی حکومت کی بنیاد کے لئے راہ ہموار کر دی۔ افسوس عالم کفر واستکبار نے ظلم کا دوسرا راستہ اختیار کیا۔ مختلف کامیاب پارٹیوں کو آپس میں لڑا دیا تا کہ داخلی جنگ کا آغاز ہو جائے اور وہ اپنے ہی افراد اور ملک کی بربادی میں مشغول ہو جائیں تا کہ اسلامی حکومت کی بنیاد کے لئے موقع ہی نہ مل سکے اور اسلام دشمن بلا واسطہ یا با واسطہ اسلحہ اور دیگر اسباب جنگ اُن کے حوالے کریں۔ نتیجہ کیا ہوگا نہیں جانتا؟

ارمنستان کا فوجی حملہ آذربائیجان کی جمہوری حکومت پر اور تاجکستان کی داخلی جنگ کشمیری مسلمانوں کا بے رحمانہ قتل اور افراط پسند ھندوؤں کے توسط بابری مسجد کی بربادی اور اس کے علاوہ دسیوں نمونہ اسلام دشمن عناصر کی سازشوں اور ناپاک ارادوں کا نتیجہ ہیں۔

گھٹیا اور پست تہذیب کے رواج پر مغربی ممالک کا اصرار اور اس کے لئے اسلامی ممالک میں شائع کرنے کے لئے بڑی رقم کا صرف کرنا، اور اسلام مخالف مصنفین یا مولفین کی حوصلہ افزائی کرنا جیسے سلمان رشدی اور اس کے مانند دسیوں اور سینکڑوں، اسلام کے خلاف کتابوں کا نشر کرنا اور آزادیٔ قلم وحقوق بشر کے عنوان سے اسلام مخالف صورت کا اظہار اور ان کے ناپاک ارادے اسلام کی نابودی کے لئے مکمل طور پر آشکار ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اسلام دشمن عناصر نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی دشمنی

کا آغاز پیغمبرؐ کے زمانہ ہی سے کر دیا تھا اور پوری تاریخ میں اسی طرح جاری وساری ہے، لیکن دورِ حاضر میں زیادہ منظّم اور آمادہ ہو چکے ہیں اور وحدت کلمہ کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے مختلف آلات جیسے سیاسی، اقتصادی، علمی، فوجی، حقوقی، حتیٰ نسل کشی وغیرہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی تحریکوں کی بیداری سے آگاہ ہو چکے ہیں اور خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ اسلام کے ناگفتہ بہ حالات اور بے سروسامانی کچھ ایسی ہی ہے کہ آپ خود جانتے ہیں اور اس کے گواہ ہیں اس کے ایک پہلو کی جانب اشارہ ہوا۔

اب، یہ سوال اٹھتا ہے:

۱۔ کیا پیغمبرؐ اسلام اس حالت سے راضی ہیں یا نہیں؟

۲۔ ہم کیوں ایسے ہو گئے؟

۳۔ راہ چارہ کیا ہے؟

۴۔ کس کی ذمہ داری ہے؟

مذکورہ سوالات کے جوابات تفصیل طلب ہیں جس کی ابھی گنجائش نہیں ہے اسی لئے مختصر جواب پر اکتفا کرتے ہیں۔

کیا پیغمبر اسلام اس حالت سے راضی ہیں؟

جواب واضح ہے اس لئے کہ کوئی عقلمند مسلمان شک نہیں کرتا کہ موجود عالم اسلام کی بے سروسامانی رسولؐ خدا کی خوشنودی کا باعث نہیں ہے، پیغمبرؐ یقیناً

راضی نہیں ہیں کہ ان کی امت کے درمیان اس درجہ اختلاف ہو، اپنوں سے دور اور غیروں کے دوست بنے رہیں، اپنی آزادی کھو کر تمام چیزوں میں اسلام دشمن عناصر سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ رسولؐ خدا کو کب گوارہ ہوگا کہ ان کی امت اپنا معیار کھو کر کفر واستکبار کے زیر تسلط زندگی بسر کریں؟ کیسے راضی ہوں گے کہ اسلامی زمین کافروں کے غصب کا شکار ہو اور مسلمان دربدر ہوں؟ کیسے راضی ہوں گے کہ مسلمان اپنی طبیعی دولتوں کو معمولی قیمت پر عاجزی اور التماس کے ساتھ دشمن اسلام کے حوالے کردیں۔ پھر اس وقت قرض لینے یا معمولی رقم کے لئے اُن کے سامنے دست سوال دراز کریں؟ یا یہ کہ اپنی عوام کو بھوکا اور بے چارہ بنادیں اور تمام دولتوں کو اسلحہ جاتی مقابلہ اور اسلحوں کی خریداری میں صرف کردیں، اور کبھی اپنے پڑوسی ملک پر ظلم کریں؟ نہیں پیغمبرؐ کبھی راضی نہیں ہیں کہ مسلمانوں کی یہ ذلت آمیز اور افسوسناک حالت ہو، اس کو اپنی امت کے لئے پسند نہیں کریں گے۔

ہم کیوں ایسے ہو گئے؟

جواب یہ ہے کہ جب ہم نے اسلام اور قرآن کے دستور پر عمل نہیں کیا تو ایسے ہو گئے، جب کہ قرآن تمام مسلمانوں کو ایک امت تصور کرتا ہے اور فرماتا ہے:

تم سب اللہ کی رسیوں (قرآن اور اسلام) سے تمسک اختیار کرو اور تفرقہ اندازی نہ کرو۔[۱]

---

[۱] سورہ آل عمران، آیت: ۱۰۲

نیز ارشاد ہوتا ہے: خدااور رسولؐ کی اطاعت کرواور آپس میں اختلاف نہ کرو کیونکہ کمزور و ناتواں ہو جاؤ گے اور تمہاری آبرو ختم ہو جائے گی۔ صبر کرو خدا صابروں کے ساتھ ہے۔[۱]

مسلمانوں نے قرآن کے دستور پر عمل نہیں کیا اور اپنی یکجہتی گنوا دی اور متفرق ہو گئے۔

قرآن نے کہا تھا: خدانے مومنین کے نقصان کے لئے کافروں کے لئے کوئی راستہ نہیں کھولا ہے۔[۲]

اور یہ بھی کہا تھا: جولوگ مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا عزت اور قدرت ان کے پاس تلاش کرتے ہیں۔ جب کہ ساری عزت خدا کے لئے ہے۔[۳]

لیکن مسلمانوں نے عزت اور قدرت کے لئے کافروں سے دوستی رچا کر ان کے تسلط کا راستہ کھول دیا، قرآن نے کہا تھا: اے صاحبان ایمان کافروں کو مومنین کی جگہ دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لئے اپنے خلاف صریحی دلیل وحجت قرار دے لو۔[۴]

اور یہ بھی کہا تھا: اے صاحبان ایمان یہود و نصاریٰ سے دوستی اور ہاتھ

---

[۱] سورہ انفال، آیت: ۴۶ [۲] سورہ نساء، آیت: ۴۱

[۳] سورہ نساء، آیت: ۱۲۹ [۴] سورہ نساء، آیت: ۱۴۴

بڑھانے کا وعدہ نہ کرو، وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو بھی دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا ان میں شمار ہوگا۔ خدا ستمگروں کی ہدایت نہیں کرتا۔[۱]

لیکن مسلمانوں نے قرآن کے قطعی اور واضح حکم کو اہمیت نہ دی اور اسلام کے سخت مخالف دشمنوں سے دوستی کا وعدہ کرلیا تا کہ فوجی، اقتصادی، تہذیبی اور سیاسی امور میں حصہ لیں۔

قرآن نے کہا تھا: جس طرح مشرکین سارے تم سے جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں تم بھی اُن سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ اور جان لو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔[۲]

نیز فرمایا تھا: کفر کے لیڈروں سے جنگ کرو اس لئے کہ وہ اپنے وعدہ کے پکے نہیں ہیں شاید وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔[۳]

لیکن مسلمانوں نے جنگ کے اہم فریضہ کو چھوڑ کر ذلت آمیز اور ننگ زندگی کو جہاد اور سرمایہ افتخار شہادت پر ترجیح دی اور دشمنوں سے جنگ کرنے کے بجائے ان سے دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔

قرآن نے کہا تھا: تم ایسی امت ہو جو لوگوں کو خیر کی دعوت دیتے اور برائی سے روکتے ہو یہی لوگ کامیاب ہیں۔[۴]

---

[۱] سورہ مائدہ، آیت: ۵۱ [۲] سورہ توبہ، آیت: ۳۶

[۳] سورہ توبہ، آیت: ۱۲ [۴] سورہ آل عمران، آیت: ۱۰۴

لیکن مسلمانوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ چھوڑ دیا، نتیجہ کے طور پر بدکار اور ضمیر فروش حکام اُن کے سر پر مسلط ہو گئے اور ستمگروں نے سماجی اور اخلاقی برائیوں کو رواج دیا۔

دسیوں اور سینکڑوں امور جس کا قرآن نے ہم سے مطالبہ کیا تھا ہم نے انجام نہیں دیا تو اس ناگفتہ بہ حالت میں مبتلا ہو گئے۔ موجودہ صورتحال ہمارے کردار کا نتیجہ ہے۔

ابو ہریرہ کہتا ہے: میں نے رسولؐ خدا سے سنا کہ ثوبان سے فرمایا: اے ثوبان! اس وقت کیا کرو گے جب کفار و دشمنان تم پر مسلط ہونے کے لئے ایک دوسرے کو اسی طرح دعوت دیں گے جس طرح دسترخوان پر کھانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ثوبان نے کہا: یا رسولؐ اللہ! کیا ایسا ہماری تعداد کی کمی سے ہوگا؟ فرمایا: نہیں، اس وقت تم لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی لیکن سستی اور ناتوانی کی وجہ سے جو تمہارے قلوب میں ہوگی۔ ثوبان نے کہا یا رسولؐ اللہ! کمزوری اور سستی سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور جنگ سے فرار۔[۱]

رسولؐ خدا نے فرمایا: جب تک ان دو غفلتوں کے تم شکار نہیں ہو گے خدا کی طرف سے دلیل اور راہنمائی ہے: ۱۔ نادانی کا نشہ۔ ۲۔ دنیا کی محبت کا نشہ۔ جب تک ان دونشوں میں مبتلا نہیں ہو گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے اور

---

[۱] مجمع الزوائد، ج ۷ ص ۲۸۷

خدا کی راہ میں جہاد کرو گے خدا کی طرف سے راہنمائی ہوگی، لیکن جب دنیا سے زیادہ دل لگالو گے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر اور راہ خدا میں جہاد کو ترک کرو گے۔ اس وقت قرآن وسنت کے پابند لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں گے اور وہ مہاجرین وانصار میں سے سب سے پہلے مومن کی منزل پر فائز ہوں گے۔[۱]

ابو ہریرہ نے رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرو ورنہ خدا تم پر کمینوں کو مسلط کر دے گا، اس وقت نیکو کار افراد دعا کریں گے لیکن دعا قبول نہیں ہوگی۔[۲]

راہ چارہ کیا ہے؟

اس کا راہ حل صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم حق اور سچے اسلام کی جانب رجوع کریں، اصلی اقدار، حیات بخش کو اپنے درمیان زندہ کریں۔ بکھرے ہوئے مسلمانوں کو امت واحدہ کی تشکیل کے لئے دعوت دیں۔ فلسفہ جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کریں، اسلام اور اسلامی سرزمینوں کے دفاع کا جذبہ پیدا کریں۔ طاغوت اور ان کے پیرو کاروں اور مزدوروں سے جنگ کریں۔ اسلام دشمن اور غیروں کے تسلط کا راستہ ہموار نہ کریں، اور مستقل ہونے اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی انتھک کوشش کریں۔

البتہ یہ بھی ہے کہ موجودہ صورتحال میں اپنے مقصد تک پہنچنا ایک دشوار اور

---

[۱] مجمع الزوائد، ج ۷ ص ۲۷۰ [۲] مجمع الزوائد، ج ۷ ص ۲۶۶

مشکل امر ہے، ایثار اور فدا کاری، قید و بند کی زندگی، جلا وطنی اور شہادت و محرومیت کا طالب ہے، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ خلوص و محبت کے ساتھ آگے بڑھیں۔ خدا بھی مدد کرے گا۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ.[۱]

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: اگر کوئی سخت مصیبت تم پر نازل ہو تو اپنے اموال کو جان کے تحفظ میں خرچ کر دو، لیکن اگر دین کے لئے مشکل پیش آجائے تو دین کے بچاؤ کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دو۔ اور جان لو کہ ھلاک ہونے والا وہ ہے جو دین نہ رکھتا ہو اور مسروق وہ ہے جس کا دین چوری ہو گیا ہو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بہشت کے بعد پھر کوئی محتاج نہیں ہے اور وجود آتش دوزخ کے بعد کوئی بے نیازی نہیں ہے۔ وہ بھی ایسی آگ کہ جس کا اسیر کبھی آزاد نہیں ہوگا اور بیمار شفایاب نہیں ہوگا۔[۲]

کس کی ذمّہ داری ہے؟

سب کی ذمہ ّداری ہے اس لئے کہ دین کا دفاع سب پر واجب ہے۔ ہر شخص جس طرح چاہے اس مقصد کے لئے مدد کر سکتا ہے۔ لیکن دانشور افراد، فقہاء اور علماء کی زیادہ ذمہ ّداری ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو وحدت کی دعوت دیتے اور اسلام کے فراموش شدہ اور اعلی اقدار کی تبلیغ کرتے ہیں۔ دشمنوں کی خطرناک سازشوں کو عام کرتے اور امت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور مسلمانوں کو

---

[۱] سورۂ محمد، آیت: ۷ [۲] وسائل الشیعہ، ج ۱۱ ص ۴۵۱

اسلام کے دفاع، دین کے استوار کرنے اور مکمل طور پر احکام کے جاری کرنے کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ خود حرکت کریں اور لوگوں کو اپنے ساتھ بلائیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس نے دانہ اُگائے اور انسان کو خلق کیا، اگر لوگوں کا اژدھام میری بعثت کے لئے نہ ہوتا اور اس طرح سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوتی اور خدا علماء سے وعدہ نہ کراتا کہ ظالموں کی شکم سیری اور محرومین کی گرسنگی پر راضی نہیں ہوں گے تو یقیناً میں شترِ خلافت کی مہار اس کی کوہان پر ڈال کر آزاد کردیتا کہ وہ جدھر چاہیں چلے جائیں۔[۱]

امام حسینؑ نے بھی فرمایا: احکام اور امور کا اجراء اس لئے علماء کے ہاتھ میں ہے کہ وہ حلال و حرام الٰہی کے امین ہیں۔ وہ تو تم ہو کہ اپنی حیثیت اور عظمت کھو بیٹھے ہو، یہ حیثیت اور مقام تم سے نہیں لیا گیا مگر جب تم نے رسولؐ کی سنت میں اختلاف کا بازار گرم کردیا، اگر تم لوگ مشکلات اور مصائب پر صبر کرتے تو دین خدا سے متعلق امور تمہارے حوالے ہوتے اور تم ان کے صادر ہونے کا سرچشمہ ہوتے اور تمہاری طرف لوگ رجوع کرتے۔

لیکن تم نے (انجام وظیفہ میں کوتاہی) ستمگروں کو اپنی جگہ دے دی اور امور الٰہی اُن کے حوالے کردیا جو شبہوں پر عمل کرتے اور شہوات کے دلدادہ ہیں وہ اپنی خواہشات کی تکمیل میں لگے ہوتے ہیں۔ ہاں تمہارا موت سے فرار کرنا اور دنیاوی

---

[۱] نہج البلاغہ، خطبہ:۳

زندگی سے لگاؤ تھا کہ تم پر ستمگروں کو مسلط کیا۔ تم ہی وہ ہو جنھوں نے مظلوموں اور محروموں کو ستمگروں کے ہاتھوں نجات دلائی تا کہ بعض کو اپنا غلام بنالیں اور بعض کو اتنا ناتواں اور محتاج بنادیں کہ وہ ایک لقمہ غذا کے محتاج رہیں۔ اور پھر اپنی خواہش کے مطابق ملک کا ارادہ کریں اور خداوند جبار کے مقابل اظہار جرأت کریں۔[۱]

یقیناً خیر خواہ اور اصلاح طلب افراد، علماء دین اور فقہاء نامدار کی ذمہ داری ہے کہ امت کی رہبری کریں۔ اور دین اور اسلام کے واقعی اقدار کا پرچم دنیا میں لہرا دیں اور اسلام و مسلمین کو اس ڈگر پر گامزن کر دیں جس پر پیغمبرؐ کی خواہش تھی۔ اگر سب کی کوشش اور جہاد شروع ہو جائے تو امید ہے کہ اسلام کی گئی عظمت وشان دوبارہ واپس آجائے اور اپنا دنیا میں مقام بنالے۔ خوش قسمتی سے اسلامی بیداری کے آثار دنیا میں نمایاں ہو رہے ہیں لہٰذا ہمیں اس فرصت سے فائدہ اٹھانا چاہیۓ۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کی تشریح کیجئے؟

۲۔ کیا پیغمبرؐ اس صورتحال سے راضی ہیں؟ کیوں؟

۳۔ ہم کیوں ایسے ہو گئے؟

۴۔ راہ حل کیا ہے؟

۵۔ سب سے زیادہ ذمہ داری کس کی ہے؟

---

[۱] تحف العقول، ص۲۴۲

سبق ۱۲

زکوٰۃ اور اسلام

خداوند عالم نے فقراء کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے مالداروں کے اموال میں حق قرار دیا ہے جو اصطلاح میں زکوٰۃ کہی جاتی ہے۔ مخصوص شرائط کے ساتھ زکوٰۃ دینا واجب ہے جس کی آیات اور احادیث میں تاکید ہوئی ہے۔ بہت ساری آیات میں نماز کے ساتھ مذکور ہے جو اس کی اہمیت پر گواہ ہے۔ مثال کے طور پر:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔[۱]

نیز ارشاد ہوتا ہے: نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ بعنوان نیکی پہلے سے پیش کرتے ہو خدا کے یہاں پاؤ گے جو تم کرتے ہو خدا آگاہ ہے۔[۲]

نیز ارشاد ہوتا ہے: جو لوگ سونے، چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔[۳]

زکوٰۃ کے سلسلے میں بھی کثرت سے احادیث ہیں کہ اُن میں بعض کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

---

[۱] سورہ بقرہ، آیت: ۴۳ [۲] سورہ بقرہ، آیت: ۱۱۰ [۳] سورہ توبہ، آیت: ۳۵

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے قرآن میں زکوٰۃ کا ذکر نماز کے ساتھ کیا ہے اور فرمایا: ''اَقِیمُوا الصَّلوٰۃَ و آتوا الزّکوٰۃَ'' لہٰذا جو نماز پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی۔[۱]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جو ایک قیراط کی مقدار بھر زکوٰۃ نہ دے وہ مسلمان نہیں ہے، یہودی یا عیسائی دین پر دنیا سے اُٹھے گا۔[۲]

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے خداوند عالم اس کی گردن میں ایک بڑا آتشی سانپ لٹکا دے گا، جو حساب سے فارغ ہونے تک انہیں ڈنک مارتا رہے گا اور اسی سلسلہ میں خداوند عالم نے فرمایا: ''سَیُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ'' یعنی زکوٰۃ کے دینے سے بخل کیا۔[۳]

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: زکوٰۃ مالداروں کی آزمائش کے لئے واجب ہوئی ہے نیز فقراء اور محتاج کے لئے زندگی کا سہارا ہے۔ اگر لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نکال دیں تو دنیا میں کوئی فقیر نہیں رہ جائے گا بلکہ زکوٰۃ کی وجہ سے اُن سب کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ لہٰذا فقراء، حاجتمندوں، بھوکوں، ننگوں کا وجود مالداروں کے گناہ کا نتیجہ ہے۔ خداوند عالم اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے اپنی رحمت کو سلب کر لے۔[۴]

---

[۱] وسائل الشیعہ، ج۶ ص۳۱ [۲] وسائل الشیعہ، ج۶ ص۱۸

[۳] وسائل، ج۶ ص۱۱ [۴] وسائل، ج۶ ص۴

امیر المومنینؑ نے فرمایا: زکوٰۃ نماز کی ساتھی قرار دی گئی ہے تا کہ بندوں کے خدا سے تقرب کا ذریعہ ہو جو اپنی مرضی سے زکوٰۃ نکالے اس کے گناہ کا کفارہ اور آتش جہنم سے رکاوٹ بنے گی۔ لہٰذا جو زکوۃ ادا کرتا ہے وہ اس کی فکر میں نہ رہے اور ادا کرنے کی وجہ سے حسرت نہ کرے، اس لئے کہ جبراً زکوٰۃ ادا کرے اور امید لگائے کہ اس سے بہتر پائے گا۔ وہ پیغمبرؐ کی سنت سے ناواقف، دھوکے میں ہے، خطا کر رہا ہے اور ہمیشہ شرمندہ رہے گا۔[۱]

حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے فرمایا: زکوٰۃ ادا کر کے اپنے اموال کی حفاظت کرو۔[۲]

مذکورہ احادیث میں چند نکتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے:

۱۔ نماز کے بعد زکوٰۃ اسلام کا سب سے اہم حکم ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں نماز کے بعد فوراً زکوٰۃ کا ذکر ہوا ہے۔ لہٰذا جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز بھی قبول نہیں ہے، وہ مسلمان نہیں مرے گا بلکہ یہودی یا عیسائی کے دین پر مرے گا۔

۲۔ زکوٰۃ مالداروں کی آزمائش کے لئے واجب ہوئی ہے۔ اس لئے کہ مال خرچ کرنا وہ بھی برضا و رغبت ایک دشوار کام ہے۔

۳۔ زکوٰۃ کی ترویج اس طرح ہوئی ہے کہ محتاجوں کی ضرورت برطرف ہو جائے، اگر اس سے زیادہ ضرورت ہوتی تو زیادہ واجب ہوتی۔

---

[۱] نہج البلاغہ، خطبہ: ۱۹۹ [۲] وسائل، ج ۶ ص ۶

۴۔ اگر زکوٰۃ کا صحیح اور باقاعدہ مصرف ہو تو پھر کوئی بھوکا یا ننگا اور محتاج دنیا میں نہیں ملے گا۔ اگر مسلمانوں کے درمیان ایسے لوگ پائے جارہے ہیں تو صرف اس لئے ہے کہ مالدار اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

۵۔ زکوٰۃ دینے سے مال میں برکت اور خطروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

۶۔ زکوٰۃ دینا بہترین عبادت ہے کہ اگر برضا و رغبت اور قصد قربت کے ساتھ انجام دی جائے تو گناہوں کا کفارہ اور خدا کے تقرب کا باعث ہے۔

جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

زکوٰۃ ایک اسلامی ٹیکس ہے جو مالداروں کے مال پر لگایا گیا ہے۔ اسلام کا حاکم شرع خدا کی طرف سے مامور تھا کہ مالداروں سے لے اور محتاجوں کی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اُسے خرچ کرے۔ اس کا عمومی حکم قرآن میں آیا ہے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ان اموال سے صدقہ لو اور اس کا تزکیہ کرو، اور ان پر درود پڑھو اس لئے کہ تمہاری دعا انہیں سکون بخشے گی۔ خدا سمیع و علیم ہے۔[۱]

رسولؐ خدا نے اس حکم عمومی سے فائدہ اٹھایا اور اس زمانے کے مسلمان کے حالات کے اعتبار سے، مالداروں کے مال میں ایک ٹیکس لگایا زکوٰۃ کے عنوان سے جو ۹/چیزوں سے لی جاتی ہے اور زکوٰۃ لے کر دیگر تمام جزئی اموال سے چشم پوشی کی۔

---

[۱] سورہ توبہ، آیت: ۱۰۳

وہ نو چیزیں یہ ہیں: اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری جو چراگاہ میں چرتی ہوں نہ کہ مالک کے مال سے چارہ کھاتی ہوں، سونا، چاندی سکہ دار یعنی درھم و دینار جو اس زمانہ کا رائج پیسہ تھا۔ اس شرط کے ساتھ کہ ایک سال تک بغیر معاملہ ایک جگہ پر رکھے ہوں۔ جو، گیہوں جو جزیرۃ العرب کا معروف غلہ تھا خرما، کشمش جو ان کا میوہ شمار ہوتا تھا، پر زکوٰۃ واجب ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب زکوٰۃ کی آیت ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا'' [۱] ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کرو کہ خداوند عالم نے جس طرح تم پر نماز واجب کی ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی واجب کی ہے۔ لہٰذا سونا، چاندی، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، جو، گیہوں، خرما، کشمش کی زکوٰۃ دو لیکن دیگر اشیا معاف کر دیں۔[۲]

امام محمد باقرؑ امام جعفر صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: خدا نے زکوٰۃ نماز کے ساتھ واجب کی ہے لہٰذا رسولؐ خدا نے ۹ چیزوں میں زکوٰۃ قرار دی ہے اور اس کے علاوہ سے چشم پوشی کر لی: سونا، چاندی، اونٹ، گائے، بھیڑ، گیہوں، جو، خرما، کشمش، لیکن دیگر تمام چیزوں سے صرف نظر کیا۔[۳]

مذکورہ اشیاء اس زمانہ اور جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کا اہم ترین درآمد کا

---

[۱] سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۳ [۲] وسائل، ج ۶ ص ۳۲ [۳] وسائل، ج ۶ ص ۳۴

ذریعہ تھیں کہ رسولؐ خدا نے بعنوان مالیات اُن پر زکوٰۃ معین کی، اور وصولیابی اور خرچ کے ذریعہ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی زندگی کے اخراجات پورے کئے۔

لیکن دورِ حاضر میں اسلام کی وسعت کے ساتھ دنیا میں اونٹ کی کثرت نہیں رہ گئی ہے اور بجائے اونٹ کے کشتیوں، جہازوں، بسوں پر سواری ہونے لگی ہے، نیز اس زمانے میں گائے بھیڑ کا شرائط کے ساتھ پایا جانا بالخصوص اسلامی ممالک میں مشکل ہے اور اس کی جگہ مرغ پروری یعنی Poltiform نے لے لی ہے، اس زمانہ میں سکہ دار سونا چاندی نہیں پایا جاتا تاکہ ذخیرہ ہو اس کی جگہ نوٹوں اور چکوں نے لے لی ہے جو بینکوں میں جمع ہوتے ہیں اور چاول لوگوں کی عام غذا بن گیا ہے لہٰذا کثرت سے پیدا بھی ہوتا ہے لہٰذا جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو، گیہوں، خرما اور کشمش ان کے اخراجات نکالنے کے بعد اتنی رقم نہیں ہوتی کہ تمام فقراء اور غرباء کی ضرورت برطرف ہو سکے ایسی صورتحال میں کہ زکوٰۃ کافی نہیں ہے محتاج افراد، ضرورتمندوں، بزرگوں بوڑھوں، یتیموں، بے روزگاروں، بیواؤں کی ضرورتیں کہاں اور کس راہ سے پوری کی جاتیں یقیناً اسلام نے اس سلسلے میں لازم امور کی جانب اشارہ کیا ہے اور اس کی راہ حل موجود ہے۔ علماء اور فقہاء اسلام پر لازم ہے کہ ایسے درآمد کے سرچشمہ کا ماخذ سے استنباط اور استخراج کر کے حکومت اسلامی کے ذمہ داروں کے حوالے کریں۔

زکوٰۃ کا مصرف

ولی امر مرسلین مالداروں سے زکوٰۃ لے کر درج ذیل جگہوں پر صرف

کرسکتے ہیں:

۱۔ فقیر یعنی جو اپنے اور اپنے عیال کے سال بھر کا خرچ نہیں رکھتا اور اس کے پورا کرنے پر بھی قادر نہیں ہے اس لحاظ سے جو کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اور کام بھی ہے تو وہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے۔

۲۔ مسکین یعنی جس کی آمدنی کم ہو اور اتنی کہ زندگی دشواری سے گذرتی ہو۔

۳۔ ایسے قرض دار جو اپنا قرضہ ادا نہیں کرسکتے۔

۴۔ ابن سبیل یعنی جو سفر میں محتاج اور بے چارہ ہو گیا ہو اور اس کے پاس وطن لوٹنے تک کا پیسہ نہ ہو۔ ایسے شخص کو وطن لوٹنے کا خرچ دیا جائے گا خواہ وطن میں وہ مالدار ہی ہو۔

۵۔ فی سبیل اللہ یعنی کار خیر اور مسلمانوں کی عمومی مصلحت میں جیسے: راستہ بنوانا، پل بنوانا، پینے کے پانی کا انتظام کرنا، مساجد، مدارس، یونیورسٹیوں کا بنوانا، اسلام کی تبلیغ کے لئے مفید کتابیں نشر کرنا اور اخبار کی طباعت ونشر واشاعت کرنا، اسلام اور مسلمانوں کی دفاع اور جہاد میں خرچ کرنا، تفریحی جگہوں کا بنوانا، عمومی کتاب خانوں کی تعمیر، بوڑھے مجبور لوگوں کے گھروں کو بنانا، بے سرپرست یتیموں اور بچوں کے لئے پرورش گاہ کا انتظام کرنا، اسپتال بنوانا وغیرہ وغیرہ۔

۶۔ عاملین یعنی وہ افراد جو زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے حاکم شرع کی

جانب سے مقرر ہیں۔

۷۔ ان کافروں کو بعنوان تالیف قلوب (دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے) دینا جو مسلمانوں کی حمایت میں زندگی بسر کرتے ہیں نیز اُن ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو دینا جن کے ایمان مالی امداد سے قوی ہو جائیں۔

۸۔ غلاموں کا خریدنا اور آزاد کر دینا۔

مذکورہ بالا امور میں زکوٰۃ کا مصرف کیا جا سکتا ہے قرآن میں بھی ان کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: محتاجوں، ضرورت مندوں، مسکینوں اور کارگذاروں کو نیز دلوں کو مائل کرنے کے لئے، غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے، فی سبیل اللہ زکوٰۃ دینا خدا کی جانب سے ایک فریضہ ہے، اور خدا دانا وحکیم ہے۔[۱]

مذکورہ احادیث کی جانب توجہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ترویج اور قانون گذاری کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ مذکورہ بالا اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔[۲]

---

[۱] سورہ توبہ، آیت: ۶۰ [۲] نصاب زکوٰۃ اور مقدار زکوٰۃ کی معرفت اور تفاصیل کے لئے فقہی کتابوں اور توضیح المسائل کی طرف رجوع کریں۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے وہ دنیا سے کس طرح جاتا ہے؟

۲۔ احادیث میں زکوٰۃ کی علتیں کس طرح بیان ہوئی ہیں؟

۳۔ بعض افراد کے فقر، بھوک مری کی کیا وجہ ہے؟

۴۔ اگر زکوٰۃ باضابطہ اور صحیح طریقہ سے وصول وصرف کی جاتی تو کیا ہوتا؟

۵۔ زکوٰۃ کن اموال سے متعلق ہوتی ہے؟

۶۔ زکوٰۃ کی حد بندی اور اس کے ترویج کا کیا مقصد ہے؟

۷۔ زکوٰۃ کا مصرف کیا ہے؟

سبق ۱۳

اسلام اور خمس

خمس بھی اسلام کا ایک ٹیکس ہے جو مالداروں کے مال سے لیا جاتا ہے۔

اس کی مقدار منفعت کا پانچواں حصہ ہے اور سات چیزوں پر واجب ہوتا ہے:

۱۔ جنگی غنیمتوں پر۔

۲۔ معادن یعنی کانوں پر تمام اخراجات نکال کر۔

۳۔ خزانہ۔

۴۔ تمام جواہر اور ان قیمتی اشیاء پر جو دریا سے نکالی جاتی ہیں۔

۵۔ تجارتوں کی آمدنی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات نکالنے کے بعد۔

۶۔ مال حلال وحرام کا آپس میں مل جانے کی صورت میں جس کی مقدار اور مالک معلوم نہ ہو۔

۷۔ اُس زمین پر جو ذمی کسی مسلمان سے خریدے۔

جو کوئی مذکورہ طریقوں سے اموال حاصل کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کا خمس حاکم شرع کو دے تا کہ وہ معین شدہ مصارف میں خرچ کرے۔

اس لحاظ سے خمس دینا فرائض اور واجبات میں ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: جان لو کہ جو کچھ تم نے بعنوان غنیمت حاصل کیا ہے، اس مال کا خمس خدا، رسولؐ اور آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور راستے میں مجبور ہو جانے والوں کو خمس دینا واجب ہے۔

اگر خدا اور جو کچھ اس نے اپنے بندہ پر فرقان کے دن (یعنی جنگ بدر) جب دو گروہ آپس میں ٹکرائے تو ہم نے اُن پر نازل کیا ایمان رکھتے ہو خدا ہر چیز پر قادر ہے۔[۱]

غنیمت لغت میں اُس مال کو کہتے ہیں جو بغیر زحمت اور مشقت کے انسان کے ہاتھ آئے۔ قاموس میں ذکر کرتے ہیں: غنم، مغنم اور غنیمت اُس مال کو کہتے ہیں جو بغیر کسی زحمت اور مشقت کے انسان کے ہاتھ آئے راغب مفردات میں لکھتے ہیں: مغنم وہ چیز ہے جو فائدے کے طور پر انسان کے ہاتھ آتی ہے۔ صاحب منجد لکھتے ہیں: مغنم اُس چیز کو کہتے ہیں جو جنگ میں دشمنوں پر غالب آکر ہاتھ آئے اور مطلق آمدنی کے معنی میں بھی ہے یعنی کوئی بھی آمدنی ہو اور جس راہ سے ہو۔

علامہ طباطبائی لکھتے ہیں: غنم وغنیمت فائدہ حاصل کرنے کے معنی میں ہے خواہ تجارت کے ذریعہ ہو یا کام یا جنگ کے ذریعہ۔ لیکن آیت کا محل نزول غنیمت جنگی کو مصداق قرار دیتا ہے۔[۲]

اس لحاظ سے، اگر چہ آیت جنگ بدر کے غنائم سے متعلق نازل ہوئی ہے

---

[۱] سورہ انفال، آیت: ۴۱ [۲] المیزان، ج۹ ص ۸۹

لیکن آیت کا ایک مصداق ہے نہ یہ کہ مخصوص اور منحصر معنیٰ ہوں۔ بلکہ آیت کا اطلاق ہر قسم کی درآمد کو شامل ہے، بالخصوص کلمہ ''من شئی'' پر نظر کرتے ہوئے کہ عموم میں ظہور رکھتا ہے، بعض احادیث میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے اپنے آباء واجداد سے نقل کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو وصیت کر کے کہا: یا علیؑ! عبدالمطلب نے زمانہ جاہلیت میں پانچ سنت چھوڑی کہ خداوند عالم نے انہیں اسلامی قرار دیا۔ (یہاں تک کہ فرمایا:) عبدالمطلب نے ایک خزانہ پایا تو اس کا خمس نکالا اور صدقہ دیا۔ تو خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی۔

''وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ.....''[۱]

امام محمد باقرؑ نے علی بن مھزیار کو لکھا: اُن پر ہر سال غنائم وفوائد میں خمس واجب ہے۔ چونکہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعَانِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''[۲]

لہٰذا غنائم وہی غنیمت ہے جو انسان کے ہاتھ آتا ہے اور ایک ایسا فائدہ ہے جو حاصل کرتا اور ایک جائزہ اور انعام ہے جو پاتا ہے اور ایک ایسی میراث ہے جو والدین کے علاوہ اجنبی سے ملتی ہے اور ایسے دشمن کے مانند ہے کہ تسلیم ہونے کے بعد اس سے مال لیا جاتا ہے۔[۳]

---

[۱] وسائل، ج ۶ ص ۳۴۵ [۲] سورۂ انفال، آیت: ۴۱ [۳] وسائل، ج ۶ ص ۳۵۰

سماعہ کہتے ہیں: حضرت موسیٰ بن جعفرؑ سے خمس کے متعلق میں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تمام اُن چیزوں میں جو لوگ حاصل کرتے ہیں خواہ کم ہو یا زیادہ۔[۱]

گذشتہ بیان سے استفادہ ہوتا ہے کہ خمس کا وجوب جنگی غنائم میں منحصر نہیں ہے بلکہ تمام آمدنی میں ہے، منجملہ درآمد میں کسب و کام اور تجارت سے حاصل شدہ درآمد کو بھی شامل ہے۔

خمس کا مصرف

خمس کا مصرف آیت میں مذکور ۶ رموارد ہیں۔ یعنی خدا، رسولؐ اللہ، ذی القربیٰ یتیموں، مساکین، ابن سبیل (جن کا زادراہ ختم ہو گیا ہو)۔

رسولؐ خدا نے ان چھ سہام (حصوں) میں تین حصہ اپنے سے مخصوص کیا ہے: سہم خدا، سہم رسولؐ اور سہم ذی القربیٰ (ذی القربیٰ امام معصوم کی احادیث میں رسولؐ خدا کے رشتہ داروں سے تعبیر کی گئی ہے) رسولؐ خدا اپنے لئے تین حصہ لے لیتے تھے اور اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ پورا کرتے تھے اور اس کے علاوہ کو عموم مسلمین کے معاملات میں صرف کرتے تھے اور اس کے علاوہ تین حصہ یعنی سادات یتیموں، مساکین اور ابن سبیل خود رسولؐ خدا یا آپ کے ماتحت افراد کے ذریعہ اُن پر خرچ ہوتا تھا اس لحاظ سے کہ ولی امر اور مسلمان کے قائد تھے۔

---

[۱] وسائل، ج۶ ص ۳۵۰

احادیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ رسول خداؐ کی رحلت کے بعد تمام خمس حضرت علیؑ اور آپ کے گیارہ فرزندوں کے اختیار میں آیا جو پیغمبرؐ کے جانشین اور حاکم شرع تھے کو دیا جائے گا تا کہ جس مصرف میں رسول خداؐ صرف کرتے تھے یہ بھی انہیں میں صرف کریں۔

احمد بن محمد نے امام رضاؑ سے نقل کیا ہے کہ آیت: "وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى" کے بارے میں سوال ہوا اور کہا گیا: خدا کا حصہ تو آیت میں مذکور ہے کس کے حوالے کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: رسولؐ خدا کے نیز ان کے بعد امامؑ کو۔

سوال ہوا اگر آیت میں مذکورہ اصناف میں ایک زیادہ ہو اور دوسرا کم ہو تو کیا کیا جائے گا؟ فرمایا: اس کا اختیار امام کو ہے جیسی صلاح ہوگی ویسا کریں گے کیا رسولؐ خدا اس کے مصرف کا اختیار نہیں رکھتے تھے؟ امام کو بھی وہی اختیار ہے۔[۱]

اس لحاظ سے تمام خمس حق خدا ہے جو اللہ نے مالداروں کے مال میں قرار دیا ہے اور رسولؐ اللہ نے مذکورہ مصارف میں صرف کیا۔

رسولؐ خدا کے بعد تمام خمس ائمہ معصومینؑ کے اختیار میں آیا جو آپ کے جانشین اور حاکم ہیں تا کہ انھیں مصارف میں خرچ کریں۔

محمد بن مسلم امام محمد باقرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ قول خداوندی: "وَاعْلَمُوا

---

[۱] کافی، ج ا ص ۵۴۴

اَنَّمَا غَنِمْتُم مِنْ شَئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبیٰ'' کے بارے میں فرمایا: ذی القربیٰ رسولؐ اللہ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور خمس اللہ، رسول اور ہمارا مال ہے۔[۱]

عمران بن موسیٰ، موسیٰ بن جعفرؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے آنحضرت کے سامنے خمس کی آیت تلاوت کی تو آپ نے فرمایا: خدا کا سہم رسولؐ خدا کے اختیار میں آتا ہے اور رسولؐ خدا کا مال میرا مال ہے۔[۲]

اس لحاظ سے اور شیعوں کے عقیدہ کے اعتبار سے، خمس بارھویں امامؑ کی خدمت میں پہنچنا چاہئے تاکہ ان کا مصرف کرسکیں لیکن افسوس کہ اس وجود مقدس تک رسائی نہیں ہے۔

لہٰذا اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؑ کی غیبت کے زمانہ میں خمس کی ذمہ داری کیا ہے؟ یہ مسئلہ فقہی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے اور مختلف نظریات اور خیالات بیان ہوئے ہیں۔

آخر کار علماء اس نتیجہ پر پہنچے کہ دوران غیبت فقیہ جامع الشرائط کو خمس دینا چاہئے جو ولی امر مسلمین اور امت کا رہبر نیز تمام دینی شعبوں اور حوزہ علمیہ کا ذمہ دار ہے۔ مذکورہ فقیہ خمس کو کلمۂ توحید کی بلندی، علوم و معارف اسلامی کی اشاعت، اسلام اور قرآن کے دفاع، احکام و قوانین شریعت کی اثبات، حوزۂ علمیہ کا بندوبست،

---

[۱] کافی، ج ۱ ص ۵۳۹ [۲] وسائل، ج ۶ ص ۳۳۸

سادات فقراء کی ضرورتوں پر خرچ کرتا ہے اس لئے کہ مذکورہ مقامات اور اس جیسے امور میں خمس کا خرچ کرنا یقینی طور پر امام زمانہ عج کی خوشنودی کا باعث ہے، اور اگر حضرت خود بھی موجود ہوتے تو انھیں مصارف میں خرچ کرتے۔

غور کیجئے اور جواب دیجئے

۱۔ خمس کن اموال سے متعلق ہوتا ہے؟

۲۔ خمس کی مقدار کتنی ہے؟

۳۔ غنیمت کی تفسیر کیجئے؟

۴۔ کیا آیت جنگی غنائم سے مخصوص ہے؟ کیوں؟

۵۔ احادیث نے آیۂ غنیمت کی کس طرح تفسیر کی ہے؟

۶۔ خمس کے مصارف کیا ہیں؟

۷۔ رسولؐ خدا کے بعد کون خمس لیتا اور صرف کرتا ہے؟

۸۔ اس وقت خمس کا اصلی مالک کون ہے؟

۹۔ زمانہ غیبت میں خمس کی رقم کس کے حوالے کی جائے گی؟

۱۰۔ کن راستوں میں صرف کریں گے؟



TANZEEMUL MAKATIB
Golaganj, Lucknow-226018, INDIA
Phone: 8090065982, 9044065985
Email: makatib.makatib@gmail.com
website : tanzeemulmakatib.org